© rasailojaraid.com

اسلامی اسکولوں میں
ہم بچوں کو کیا پڑھا رہے ہیں؟

ہر کتاب کو اسی زاویے سے دیکھئے!

سیّد خالد جامعی ☆

یہ ۲۰۱۱ء کی بات ہے‘ ہمارے عزیز دوست عمیر ثانی ایک بین الاقوامی ادارے Trade Key کے شعبہ کمپیوٹر میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے اور جدید دنیا سے بخوبی واقف۔ ایک دن انہوں نے اپنے بچے کی تعلیم و تربیت سے متعلق بعض استفسارات کیے اور بچے کے بدلتے ہوئے رجحانات‘ نت نئے میلانات کے بارے میں سوالات اٹھائے جو پری نرسری میں پڑھ رہا تھا تو راقم نے عرض کیا آپ کا بچہ کہاں پڑھتا ہے؟ معلوم ہوا کراچی کے سب سے بہترین اور مہنگے ترین اسلامی اسکول میں پڑھتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ اسکول چند مہینوں بعد یونیورسٹی میں تبدیل ہونے والا ہے‘ عملے کا تقرر ہو چکا ہے۔

اس اسکول کی نگران نہایت نیک سیرت‘ متحرک‘ مؤثر‘ مخلص اور راسخ العقیدہ مسلمان خاتون ہیں۔ ان کے شوہر ایک پریمئر اسلامی بینک کے چیف ایگزیکٹیو ہیں۔ اسکول میں اسلامی اَقدار‘ روایات‘ حجاب‘ حیاء کا خاص خیال بھی رکھا جاتا ہے۔ لہٰذا ہم نے عمیر ثانی صاحب سے کہا کہ آپ کا بچہ جو انگریزی کتابیں پڑھتا ہے وہ لے آیئے۔ عمیر صاحب دوسرے دن کتابیں لے آئے۔ آکسفورڈ کی شائع کردہ ان کتابوں کا راقم نے ناقدانہ جائزہ لیا اور یہ جائزہ عمیر صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا۔ عمیر صاحب نے اگلے ہفتے اپنے بچے کا داخلہ منسوخ کرا دیا۔ یہ جائزہ اسکول کے اساتذہ کی خدمت میں بھی تفکر‘ تدبر اور تنقید کے لیے پیش کیا گیا‘ جن کا جواب صرف یہ تھا کہ ہم نے تو ان کتابوں کا کبھی اس طرح جائزہ نہیں لیا‘ نہ ان کتابوں کو اس قدر گہرائی سے دیکھا ہے۔ اساتذہ خود حیرت اور تعجب میں مبتلا تھے۔ ۲۰۱۴ء میں ہمارے ایک دوست‘ جو ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں ڈائریکٹر فنانس کے عہدے پر فائز ہیں اور ان کا بچہ بھی اسی اسلامی اسکول میں پڑھتا ہے‘ نے ہمیں بتایا کہ ان کا بچہ بہت اداس اور افسردہ ہے۔ وہ پوچھتا ہے کہ ابو! ہمارے گھر میں سب کچھ ہے مگر سوئمنگ پول (تیراکی کا حوض) کیوں نہیں ہے؟ بچے کے گھر میں دنیا کی ہر نعمت موجود ہے‘ صرف پانی کا حوض نہیں ہے تو اسے اپنا گھر حقیر نظر آتا ہے۔ ھَلْ مِنْ مَزِید کا یہ طرزِ فکر‘ یہ احساسِ محرومی‘ بے بسی و بے کسی کا یہ اسلوب کس نے پیدا کیا؟

☆ شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ‘ کراچی یونیورسٹی email: umairilyas403@googlemail.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جدیدیت (Modrenism) کے پیدا کردہ معیارِ زندگی اور اس معیار میں مسلسل و مستقل اضافہ کا اصول ایک معصوم بچے کو بھی نفسِ مطمئنہ سے محروم کر دیتا ہے۔ اس مسئلے کی بنیاد تلاش کرنے کے لیے ہم نے اپنے دوست کی خدمت میں تین سالہ پرانا تجزیہ پیش کیا۔ یہ تجزیہ ایک آئینہ ہے' جس میں بہت سے مخلص' راسخ العقیدہ' متقی' پرہیزگار لوگوں کے قائم کردہ اسلامی اسکولوں کی تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔ تصویر جیسی بھی ہو اسے غور سے دیکھیے' آئینے کو توڑنے کی کوشش نہ کیجیے' صرف اس تصویر کو بدلنے کی کوشش کیجیے جو ہماری خواہش' آرزو' جستجو کے بغیر نادانستہ طور پر ہمارے آئینے نے تخلیق کر دی ہے۔ صرف ایک سوال پر مسلسل غور کرنے کی ضرورت ہے: کیا اس تصویر کو بدلا جاسکتا ہے؟

ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ جدید تعلیمی ادارے ہماری تاریخ نے تخلیق نہیں کیے' یہ ہم پر مسلط کیے گئے ہیں' اس نظام کو فی الحال بدلنا ممکن نہیں ہے اور ریاستی قوت کے بغیر اس کا فوری متبادل پیش کرنا بھی اس وقت ممکن نہیں' لہٰذا ہم حالت اضطرار میں ہیں۔ لیکن لمحۂ موجود میں امریکہ کینیڈا میں جدید اسکولوں کا متبادل ''گھر اسکول' امی اسکول اور ابو اسکول'' (Home School/ Mom School/ Dad School) وجود میں آچکے ہیں۔ دنیا کی تیئیس (۲۳) تہذیبوں کی طرح گھروں' بستیوں' محلوں میں قائم یہ غیر تجارتی (Non Commercial) مکتب جو ہمارے شاندار ماضی کی یادگار ہیں' مغرب کے موجودہ نظامِ تعلیم کے لیے موجودہ سرکاری اور غیر سرکاری اسکولوں سے بہت اچھے' سستے اور بہت بہتر طلبہ تیار کر رہے ہیں' جو اخلاقی طور پر اور صلاحیتوں کے اعتبار سے بہت برتر ہیں۔ یہ اسکول ماں باپ نے خود اپنی مدد آپ کے تحت قائم کیے ہیں' کیونکہ صرف مادی کامیابی کے لیے تخلیق کیے گئے جدید اسکول مغرب کے بچوں کی مادی ضروریات بھی پوری کرنے سے قاصر ہیں اور بے شمار سنگین مسائل پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ مکتب قائم کرنے والے بہت مذہبی لوگ بھی نہیں ہیں' ان کا مقصد بچوں کی اخلاقی' روحانی' ایمانی' نورانی تربیت بھی نہیں ہے۔ محض مادّی احساسِ زیاں یعنی ترقی کی رفتار تیز تر کرنے کی خواہش' آرزو اور جستجو نے ان کو ایک نئے تجربے اور متبادل نظام پر آمادہ کیا اور وہ صرف مادی طور پر کامیاب ہوگئے۔ اس خالص مادّی ترقیاتی تجربے کو ہم ایک لمحے کے لیے نظر انداز کر کے ایک سوال اٹھاتے ہیں۔ کیا جدید سیکولر تعلیمی اداروں میں اصلاحی' دفاعی اور انقلابی تبدیلیوں کے ذریعے ان اداروں کی بنیادوں اور مرتبۂ نصاب میں موجود زہر کا علاج ممکن ہے یا نہیں؟ ان میں اصلاح کا کتنا امکان ہے؟ یہ ہمارے سوچنے کا اصل میدان ہے۔

مغرب کے تمام ممالک جو سرمایہ دارانہ نظام کے نظریات لبرل ازم' سوشلزم اور سوشل ویلفیئر ازم پر یقین رکھتے ہیں' ان کا اجماع اصولاً آزادی' مساوات' ترقی کے عقائد پر ہے۔ یہ خدا' نبی' آخرت وغیرہ کے قائل نہیں۔ ان کا نظامِ تعلیم بھی انہی عقائد کے مطابق بچوں کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ تعلیم کا مقصد محض ترقی' لذتوں کا حصول' آزادی اور معیارِ زندگی میں مسلسل و مستقل اضافہ ہے۔ اس کے باوجود ایک مغربی سوشلسٹ ملک نے اسی مفاد پرست' حاسد' حریص تعلیمی نظام میں چند بنیادی اصلاحات' چند ترمیمات اور اضافوں کے ذریعے ڈاکٹر بننے والوں میں حرص و حسد و ہوس کے جذبات پیدا کرنے کے بجائے قوم پرستی اور انسان پرستی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ذریعے خدمت خلق کا ایسا جذبہ پیدا کیا ہے جس کی مثال پوری دنیا میں نہیں ملتی۔ دنیا کی تاریخ میں سب سے بڑے طبی مشن اس ملک کے ڈاکٹروں اور طبی عملے پر مشتمل ہیں' جو مختلف غریب اور کمزور ممالک میں بلا معاوضہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔ بیک وقت چھپن (۵۶) ہزار لوگ اس عمل میں شریک ہیں' مگر ان میں سے ایک بھی کسی دوسرے ملک کی شہریت قبول نہیں کرتا' جبکہ اس ملک میں ڈاکٹروں کی تنخواہیں بہت کم بلکہ دنیا میں سب سے کم ہیں۔ تفصیلات کے لیے نوم چومسکی کی کتاب Profit overpeople کا مطالعہ کیجیے۔ بڑے بڑے عالمی ادارے' UNO' UNICEF' WHO' OXfam' UNO' ریڈ کراس بھی اربوں کھربوں روپے کے فنڈ وصول کرنے کے باوجود اتنے بڑے پیمانے پر مفت طبی امداد فراہم کرنے سے قاصر ہیں۔

کفار اگر کفر کے نظامِ تعلیم میں تجربات کے ذریعے کچھ اصلاحات کر سکتے ہیں تو امتِ مسلمہ جو پندرہ سو سال کی تاریخ رکھتی ہے وہ اس نظامِ تعلیم میں جزوی اصلاحات کے لیے بھی کیوں آمادہ نہیں ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ عالم اسلام ایسی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہے؟ اس مثال کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مذکورہ ملک کا تجربہ عالمِ اسلام کے لیے کوئی عالی معیاری اور مثالی نمونہ ہے' بلکہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ تبدیلی کی خواہش' ارادہ اور عزم ہو تو ہر طرح کے مشکل حالات اور سخت سے سخت نظام میں بھی کوئی نہ کوئی راستہ نکل آتا ہے۔ عالمِ اسلام کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ جدیدیت کا مقابلہ کرنے کے بجائے اس سے مغلوب' مسحور اور مرعوب ہو گیا ہے' بلکہ وہ جدیدیت کے تمام مظاہر و آثار اسلامی تاریخ میں تلاش کر رہا ہے۔ جزئیات کی بنیاد پر کلیات اخذ کر کے مغربیت' جدیدیت اور لادینیت کی اسلامی تعبیریں پیش کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ لہٰذا عقل صرف ان امور میں استعمال کی جا رہی ہے جہاں اس کے استعمال کی ضرورت نہیں' اور جہاں عقل کی ضرورت ہے وہاں مغرب کی کامل تقلید اختیار کر لی گئی ہے۔ مغرب کے فلسفے' اس کے علوم اور اس کے اداروں کا ناقدانہ جائزہ لینے کے بجائے ہم اسلامی علمیت' اس کے مکاتب فکر' ان کے اختلاف' اسلام کے اداروں اور اس کی تاریخ کا ناقدانہ جائزہ لینے میں مصروف ہیں' لہٰذا مغرب محفوظ ہے اور اسلام مضروب' مجروح اور محبوس ہے۔

سرسید احمد خان عالم اسلام میں جدید تعلیم کے بانی ہیں۔ برعظیم پاک و ہند میں سرسید نے دو سو سال پہلے جدید سیکولر تعلیم کا آغاز کیا' مگر اُس وقت بھی انھیں یقین تھا کہ ''جدید تعلیم کے نتیجے میں ہندو' مسلمان' عیسائی کے دل میں بھی مذہب کی وقعت باقی نہیں رہتی' اور ان کے عقیدے نبوت اور معاد بلکہ الوہیت کی طرف سے بھی متزلزل ہو جاتے ہیں۔ ان کو معلوم تھا کہ مغربی علوم اور مغربی لٹریچر کی بدولت اکثر ممالکِ یورپ میں روز بروز دہریت اور الحاد پھیلتا جا رہا ہے''۔ [حالی' حیاتِ جاوید' ہجرہ انٹرنیشنل پبلشر لاہور ۱۹۸۴ء طبع اول' ص ۲۲۴' ۲۳۳' باب پنجم]۔ تیسرا خطرہ خاص طور پر مذہب اسلام کو انگریزی تعلیم کی طرف سے تھا جو روز بروز ہندوستان میں پھیلتی جا رہی تھی' جس سے مفر نہ تھا' یہاں تک کہ سرسید کو خود ان میں یہ تعلیم پھیلانی پڑی' حالانکہ انگریزی تعلیم کے نتائج اسلام کے حق میں مشنریوں کی پریچنگ سے بہت زیادہ اندیشہ ناک تھے۔ [حیاتِ جاوید' دوسرا حصہ ص ۱۳۴' محولہ بالا] لیکن سرسید کی رائے تھی کہ اس تعلیم کے بغیر ترقی ناممکن ہے' لہٰذا یہ ناگزیر برائی ہے' چنانچہ اس کی خرابیوں کا ازالہ ہونا چاہیے' مگر عالم اسلام کے ماہرین تعلیم اور اسکولوں کے منتظمین میں عموماً اس بات کا احساس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہے کہ جدید تعلیم کس طرح فکری ارتداد پیدا کرتی ہے اور اس کا امالہ کیسے ہونا چاہیے۔

سرسید احمد خان نے جدید سیکولر مغربی تعلیم کے مذہب دشمن اثرات سے بچانے کے لیے قرآن کی جدید تفسیر لکھی، جس کے نتیجے میں جدید نسل کی اصلاح تو کیا ہوتی البتہ اسلامی علمیت کی بنیادیں منہدم ہو گئیں، لیکن سرسید کی فکرمندی ہمارے لیے قابل غور ہے۔ حالی لکھتے ہیں: ''الغرض ان کو مدت سے یہ خیال تھا کہ انگریزی تعلیم سے اسلام کے حق میں جن مضر نتائج کے ہونے کا اندیشہ ہے ان کا انسداد کیا جائے' اس مقصد کے لیے ایک نئے علم کلام کی بنیاد ڈالی جائے''۔ [حیاتِ جاوید' ص ۲۲۶]

اسلامی تاریخ میں علم کلام دین پر ہونے والے حملوں کا دفاع کرتا اور عقائد دینی کو مستحکم طور پر ثابت کرنے کے لیے دلائل دینے اور اعتراضات وشبہات کا ازالہ کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ سرسید چراغ علی اور شبلی نے جو علم کلام ایجاد کیا' اس نے اسلامی علمیت پر ہونے والے تمام اعتراضات ہی کو قبول کر لیا' لیکن افسوس یہ ہے کہ ہم نے ابھی تک نئے علم کلام کے لیے بھی کوئی محنت نہیں کی' بلکہ اس سیکولر نظام تعلیم کو ہم اپنا سمجھ کر قبول کر چکے ہیں۔ اس تقلید کے باعث ہم آج تک اس نظام کی تنقید تخلیق نہیں کر سکے۔

عجیب حکایت ہے کہ ایک انسان ایک شیر کے ساتھ کسی شہر کی سیر کر رہا تھا۔ سیر کرتے کرتے وہ ایک نمائش گاہ میں داخل ہوئے جہاں مصوری کے شاہکار رکھے ہوئے تھے۔ ایک شاہکار میں ایک شیر کو دکھایا گیا تھا جو زمین پر بے سدھ' بے یارومددگار حیران وپریشان' ہکا بکا' نیم جاں پڑا ہوا تھا۔ شیر کی گردن پر ایک قوی ہیکل شکاری نہایت شان بلکہ تکبر کے ساتھ پیر رکھ کر مسکرا رہا تھا' اس کی کمر میں ایک بندوق بھی جھول رہی تھی۔ انسان نے شیر سے پوچھا یہ تصویر کیسی ہے؟ شیر نے کمال بے نیازی سے تصویر کو دیکھا اور جواب دیا ''یہ تصویر انسان نے بنائی ہے''۔ دوسرے معنوں میں یہ تصویر شیر نے نہیں بنائی' ورنہ صورت حال مختلف ہوتی۔ سوچنے کا یہ زاویہ زندگی' حرکت' حرارت اور تازگی کی علامت ہے۔ یہ زاویۂ نظر کسی لمحے بھی انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بدترین عذاب کسی قوم پر یہ ہوتا ہے کہ وہ قوم فکر صحیح سے محروم ہو جائے۔ فکر صحیح ہو تو راکھ سے بھی نشیمن تعمیر کیا جا سکتا ہے۔ ذرّہ صحرا' پتی گُل' گُل گلزار' دریچہ' دروازہ اور دیوار بن سکتا ہے۔

جدید سیکولر تعلیمی ادارے ہم نے نہیں بنائے۔ دنیا کی تیئس تہذیبوں میں اس طرح کے تعلیمی اداروں کا کوئی وجود نہیں ملتا۔ دنیا کی تاریخ میں کبھی کوئی نظامِ تعلیم' مادہ پرستی' شکم اور شہوت پرستی کی بنیاد پر تعمیر نہیں کیا گیا۔ ہر تعلیمی نظام کسی اعلیٰ ترین تصورِ خیر (Meta Narrative) کی فوقیت اور فروغ کا فریضہ انجام دیتا تھا۔ تعلیم کا مقصد روٹی کمانا نہیں تھا' علم حقیقت مطلقہ (Absolute Reality) اللہ رب العزت کی معرفت تک پہنچنے کا ذریعہ تھا۔ مگر عصر حاضر میں تعلیم کا اصل مقصد آزادی' مساوات اور ترقی کا حصول ہے' لہٰذا علم وہ ہے جس سے مال ودولت کثرت سے حاصل ہوتے ہوں' لہٰذا ہر شخص حصول دولت کے لیے علم حاصل کرتا ہے۔ یہ محض دعویٰ نہیں ہے اس کی دلیل بھی موجود ہے۔ اگر آج دنیا کی تمام حکومتیں اعلان کر دیں کہ کسی سرکاری/ غیر سرکاری یونیورسٹی سے سند لینے والے کو کسی ادارے میں ملازمت نہیں ملے گی تو تمام اسکول یونیورسٹیاں ویران ہو جائیں گی۔ یہ تعلیم علم کے لیے نہیں' روٹی کمانے کے لیے ہے۔ اس کا تعلق العلم سے نہیں' صرف عقلی علوم' سائنس' سوشل سائنس' آرٹ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرافٹ اورفنون سے ہے‘ جسے دنیا کی تئیس تہذیبوں میں علم نہیں سمجھا جاتا تھا‘ اور تجربی‘ سائنسی‘ حسی‘ عقلی علوم کو علوم کی تلچھٹ کہا جاتا تھا۔ اسی لیے سقراط‘ افلاطون اور ارسطو کے ہاتھوں سوفسطائیوں کو شکست ہوئی تھی جو پیسے لے کر فنون بیچتے تھے اور اسے علم کہتے تھے۔ علم خرید و فرخت کی شے نہیں ہے۔

بہت سے لوگ یہ سوال اٹھا سکتے ہیں کہ اگر بچہ اسکول‘ کالج‘ یونیورسٹی سے علم حاصل کر کے پیسہ نہ کمائے تو کیا کرے؟ علم سے شعور‘ اعتماد‘ عزت‘ دولت‘ شہرت ملتی ہے تو اس کے حصول میں کیا ہرج ہے؟ یہ دلیل بہ ظاہر مضبوط ہے لیکن حقیقتاً کم زور ہے‘ کیونکہ اب دنیا میں پیسہ کمانے کے لیے علم نہیں کرتب بازی کی ضرورت ہے۔ مثلاً فٹبال‘ کرکٹ‘ اسکواش کھیلنے والے جاہل کھلاڑی ارب پتی بن جاتے ہیں۔ فلم اور ٹی وی میں کام کرنے والے جاہل اینکر پرسن‘ پانسے پھینکنے والے سٹے باز (risk managers)‘ جاہل صحافی‘ مسخرے بھانڈ‘ اداکار‘ کسبیاں کھربوں روپے کماتے ہیں۔ جاہل سٹے باز‘ حجام‘ درزی‘ جن کو اب فیشن ڈیزائنر کہتے ہیں‘ آرٹسٹ‘ فوٹوگرافر‘ مصور‘ ماڈل‘ رقاص اعلیٰ تعلیم کے بغیر اتنا دھن کماتے ہیں کہ انسان اس کا تصور نہیں کرسکتا۔ عزت اُسی کو ملتی ہے جو مال و دولت میں سب سے آگے ہے۔ لہٰذا یہ سمجھنا کہ علم سے دولت ملتی ہے جدیدیت اور مغربیت سے ہماری ناواقفیت کا عمل ہے۔ کینیڈا میں ٹرک ڈرائیور ڈاکٹر سے زیادہ پیسے کماتا ہے‘ برطانیہ میں تندور پر روٹی لگانے والے کی تنخواہ ڈاکٹر سے زیادہ ہے۔

ٹنڈو جام یونیورسٹی کے ایک سابق وائس چانسلر نے روزنامہ جنگ کو انٹرویو دیتے ہوئے بتایا تھا کہ ان کا بیٹا حجام بننا چاہتا ہے۔ صحافی کو حیرت ہوئی تو جواب ملا: جن دنوں میں امریکہ میں مقیم تھا ہمارے محلے میں ایک حجام تھا جس سے ہم بال کٹواتے تھے‘ اُس کی آمدنی مجھ سے کئی گنا زیادہ تھی۔ تو بیٹے نے کہا کہ ابو آپ سے بہتر تو یہ حجام ہے جو اتنا کما لیتا ہے! جب تہذیب کا نقطۂ کمال مال کی فراوانی اور تعیش کی ارزانی ہو تو یہ تصورِ خیر ایک نئے انسان کی تعمیر کرتا ہے جسے ہم جدید انسان (modren man) کہتے ہیں۔ جدید تعلیمی اداروں سے ایسے ہی لوگ نکلتے ہیں۔

جاہل سیاست دان بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو جاتے ہیں اور راتوں رات کروڑ پتی‘ ارب پتی‘ پھر چند سالوں میں کھرب پتی ہو جاتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ایسا صرف پاکستان اور تیسری دنیا کے ممالک میں ہوتا ہے‘ لیکن دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت امریکہ اور بھارت میں بھی یہی ہوتا ہے۔ ریگن ہالی ووڈ کا ایک اداکار امریکہ کا صدر بن سکتا ہے اور واجپائی‘ مودی جیسے جاہل بھارت کے وزیراعظم بن جاتے ہیں۔ جمہوریت میں ایسا ہی ہوتا ہے‘ پوری دنیا میں یہی ہورہا ہے۔ اس کی تفصیل جاننے کے لیے نیوز ویک کے سابق مدیر اور صدر بش کی کچن کیبنٹ کے رکن فرید زکریا کی کتاب The Future of Freedom پڑھیے‘ دنیا بھر کی جمہوریتوں کے جاہل سیاستدانوں کی تاریخ آپ کو مل جائے گی۔ فرید زکریا نے لکھا ہے کہ امریکہ میں ۸۵ فی صد فیصلے کانگریس اور سینٹ میں عوام کے نمائندے نہیں کرتے بلکہ لابیاں‘ پریشر گروپ اور مختلف گروہ کرتے ہیں۔ ظاہر ہے الیکشن جیتنے اور ہارنے کے لیے کھربوں روپے کی امداد دینے والے اپنے مفادات کیوں حاصل نہ کریں! تعلیم‘ سیاست‘ علم سب کا ایک ہی مقصد ہے سرمایہ میں اضافہ‘ جس سے آزادی میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہی عہد حاضر کا مذہب ہے‘ اسے سرمایہ دارانہ نظام بھی کہتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جدید اسکول ہمیں وہ سانچے مہیا کرتے ہیں جس کے ذریعے ہم استعمار کی غلامی قبول کرتے اور اس کے پیدا کردہ مقاصدِ زندگی کو الحق سمجھتے ہیں۔ یہ تعلیمی ادارے مغرب کے مقابلے پر ہماری سیاسی عسکری شکست کو تہذیبی شکست میں بدلتے ہیں اور نوکری اور ترقی کو زندگی کا اصل مقصد بنا کر انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو مسلسل و مکمل رہنمائی اور بھاری بھرکم نصاب کے ذریعے کچل کر رکھ دیتے ہیں۔ سوچنے' جانچنے پرکھنے کے تمام فطری پیمانوں کو توڑ کر صرف ایک طریقے سے سوچنا سکھاتے ہیں۔ مارکوزے کے الفاظ میں یک رخا آدمی (one dimensional man) پیدا کرتے ہیں جو صرف مغرب سے ہی وفادار رہ سکتا ہے۔ دوسرے معنوں میں ان اسکولوں سے نکلنے والی نسل کے لیے دین کے سوا زندگی کے تمام شعبوں میں عقل کا استعمال ممنوع و حرام ہو جاتا ہے۔ عقل صرف دین پر تنقید اور دین کی جدید تعبیر کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ نظامِ تعلیم و تربیت اتنا مہلک ہے کہ جہاں عقل استعمال کرنی چاہیے وہاں دین کو لے آتے ہیں۔ جہاں دین' روایت' نقل' وحی پر اعتماد کرنا چاہیے وہاں عقل لے آتے ہیں۔ لہٰذا جدید تعلیمی نظام سے جو خلقِ جدید برآمد ہوتی ہے وہ مذہب اور اسلام پر ہونے والے کسی اعتراض کا جواب دینے کے قابل نہیں ہوتی' اور ہر اعتراض کو حقیقت سمجھ کر قبول کرتی اور اپنی تاریخ اور تہذیب سے دستبردار ہو جاتی ہے۔

جدید دور میں سب سے زیادہ آمدنی (incom) سٹے باز (risk manager) کی ہوتی ہے۔ اس کے پاس صرف قیاس' گمان' ظن' تخمین کا علم ہوتا ہے۔ اس کے پاس ایک خاص حس' جذبہ' حوصلہ اور ولولہ ہوتا ہے جس کا علم اور سند کسی تعلیمی ادارے سے نہیں ملتی۔ دنیا کا سب سے بڑا سٹہ باز جارج سوروس (J. Soros) بس اندازے پر کھیلتا ہے۔ وہ کھرب پتی ہے' اُس نے ملائیشیا کی معیشت کو اسٹاک مارکیٹ کے ذریعہ تباہ کر کے ایشین ٹائیگر کو ایک رات میں پیپر ٹائیگر بنا دیا تھا۔ اس عالمی سٹے باز کی بے پناہ آمدنی اور علم سے متعلق تفصیلات کے لیے نائیل فرگوسن کی کتاب The Ascent of money پڑھ لیجیے۔

جدیدیت (Modrenism) ' لادینیت (Secularism) اور سرمایہ داری و جمہوریت (Capitalism & Democracy) کی پیدا کردہ جدید دنیا میں شہرت' عزت اور دولت کا معیار علم نہیں' بلکہ سائنسی علم بھی نہیں' بلکہ علم کا معیار یہ ہے کہ کون اپنے کام' فن سے سب سے زیادہ سرمایہ پیدا کر سکتا ہے' کیونکہ آزادی صرف سرمایہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے مغرب میں کام (work) کی تعریف یہ ہے کہ جس سے سرمایہ حاصل ہو۔ کام کا نہ ہونا پاگل پن ہے' یعنی جو شخص کام نہیں کرتا' سرمایہ نہیں کماتا' وہ اپنی آزادی کا انکار کرتا ہے۔ آزادی مغرب کا بنیادی ایمان و عقیدہ ہے' لہٰذا آزادی اور سرمایہ کا منکر پاگل ہے۔ فوکالٹ لکھتا ہے The absence of work is madness......اسی لیے گھر میں تیرہ بچوں کو پالنے والی عورت کے کام کو مغرب کام تسلیم نہیں کرتا کہ اس سے سرمایہ نہیں پیدا ہوتا۔ یہ عورت باہر جائے' کمائے تو اسے working woman کہتے ہیں۔ رنڈی اپنی ملکیت جسم کو بیچ کر سرمایہ کما کر اپنی آزادی میں اضافہ کرتی ہے' لہٰذا اسے طوائف نہیں sex worker کہتے ہیں' محنت کے ذریعے آزادی اور سرمایہ جیسے عظیم کام انجام دینے والی عورت۔ جدید سیاسی فلسفے کا سب سے بڑا مفکر جان رالز جس کی کتاب Theory of Justice جدید ریاستوں میں عدل کے موضوع پر ''انجیل'' سمجھی جاتی ہے'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ لکھتا ہے کہ ہر انسان کو چار بنیادی خیر (four primary goods) حاصل ہونے چاہئیں: آمدنی' دولت' قوت اور اقتدار (incom/ wealth/ power/ authority)۔ان چار بنیادی خیر کے بعد ہی کوئی شخص اپنی آنکھوں میں عزت وتکریم (self respect) کے قابل ہوسکتا ہے۔ دوسرے معنوں میں کوئی شخص اپنی نگاہ میں بھی ان چار بنیادی اسباب کے بغیر عزت کے قابل نہیں۔ جس شخص کو اپنی نگاہوں میں ان چار عقائد کے بغیر عزت حاصل نہیں اسے دوسرے کی نگاہوں میں عزت کیسے مل سکتی ہے؟ جدید نظام تعلیم ہمیں یہی عزت دلانے کا فریضہ انجام دیتا ہے کہ عزت کے پیمانے تبدیل ہو چکے ہیں۔ دوسرے معنوں میں ہمارے عقیدے' ایمانیات اور مابعد الطبیعیات بھی بدل چکے ہیں' لہٰذا جس کے پاس مال و دولت اور اسباب کی فراوانی نہیں ہے وہ عزت کے قابل ہی نہیں ہے۔ افسوس کہ دنیا کی تاریخ کے بڑے بڑے لوگ اس پیمانے پر پورا نہیں اترتے۔

دنیا بھر میں عموماً اور عالم اسلام میں خصوصاً سائنس کو برتر علم جانا جاتا ہے' لیکن سائنس دان (scientists) کی مغرب میں اتنی عزت نہیں کی جاتی جتنی عزت سٹے باز (risk managers)' رنڈیوں' مراثیوں' بھانڈوں (showbuisness stars) اور کھلاڑیوں (sports men) کی ہوتی ہے۔ عزت کا پیمانہ مغرب اور دنیائے جدید (modren age) میں صرف مادّی ہے اور وہ ہے پیسہ۔ جو زیادہ کماتا ہے وہ زیادہ عزت پاتا ہے۔ سب سے زیادہ پیسہ سٹے باز کماتے ہیں' اس کے بعد رنڈیاں اور کھلاڑی وغیرہ' اس کے بعد سائنس دانوں کا نمبر آتا ہے' کیونکہ سٹے باز اور رنڈیاں سرمایہ کی پیداوار میں سائنس دانوں سے زیادہ بہتر ہیں۔ مثلاً عالمی اولمپکس کے ایک ہفتے کے کھیل سے جتنا سرمایہ پیدا ہوتا ہے امریکہ کی تمام یونیورسٹیاں سال بھر میں اتنا سرمایہ پیدا نہیں کرسکتیں۔ صرف امریکہ میں عریانی وفحاشی کی صنعت ایک سال میں جتنا سرمایہ پیدا کرتی ہے دنیا کی کئی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں (جن میں مائیکروسافٹ جیسی کمپنی بھی شامل ہے) اجتماعی طور پر بھی اتنا سرمایہ پیدا نہیں کرتیں۔ کرس ہیجز کی کتاب دیکھیے۔

World wide porn revenues topped 97 billion Dollar in 2006. That is more than the revenues of Microsoft, GoogleAmazon, eBay, Yahoo, Apple, Net flix & Earth link combined. [Chris Hedges., Empire of illusion : The end of literacy & the triumph of spectalce , Nation Books USA 2009, p. 58]

لہٰذا زیادہ اجرت (salaries/wages) اسے ملے گی جو زیادہ سرمایہ پیدا کرے گا۔ برکلے یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی تنخواہ یونیورسٹی کے فٹ بال کوچ سے کم ہے۔ فٹ بال کوچ سالانہ تین ملین ڈالر کماتا ہے اور وائس چانسلر تین لاکھ ڈالر بھی نہیں کماتا۔ ایک فٹ بال میچ سے جتنا سرمایہ پیدا ہوتا ہے برکلے اتنا سرمایہ کئی سالوں میں نہیں پیدا کرسکتی۔ کرس ہیجز اپنی کتاب The impire of illusion میں لکھتا ہے:

The football coach is Berkeley's highest paid employee. He makes about 3 million dollar. [p. 94]

کرس ہیجز اسی کتاب کے باب Illusion of Love میں لکھتا ہے کہ امریکہ میں ایک اعلیٰ ترین رنڈی (prostitute) تین ہزار ڈالر فی گھنٹہ کماتی ہے۔ آج کل اسے آرٹسٹ' فلم اسٹار' فلمی ستارہ' sex worker اور porn star کہا جاتا ہے' لیکن اس پیشے کے عیوب ظاہر کرنے کے لیے سب سے بہترین لفظ یہی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

The porn stars make anywhere from 1500 dollar to 3000 dollar an hour as prostitute. [p. 68, ibid]

اگر یہ رنڈی روزانہ بارہ گھنٹے کام کرے تو اس کی روزانہ کی آمدنی ۳۶ ہزار ڈالر ہے جو ایک امریکی استاد کی سالانہ آمدنی ہے۔ یہ رنڈی ماہانہ دس لاکھ اسی ہزار ڈالر کماتی ہے جبکہ امریکی سپریم کورٹ کا چیف جسٹس ایک سال میں صرف دو لاکھ سترہ ہزار چار سو ڈالر کماتا ہے۔ رنڈی کا لفظ اب متروک ہو گیا ہے' کیونکہ معاشرے میں گناہ اور گناہ گار کو پسند کیا جا رہا ہے۔ اسے برداشت (tolerance) کہتے ہیں۔ یہ آزادی کے عقیدے کا نتیجہ ہے کہ ہر پھول کو کھلنے دو' آپ نیک کام کریں' دوسرے کو برے کام کرنے دیں' دونوں کا حق ہے۔ عہد حاضر حق (right) کے منہاج کا عہد ہے' آپ جو چاہے کریں کہ حق(good) کچھ نہیں ہوتا' یہ ہر شخص کا محض دعویٰ ہوتا ہے' ہر شخص کو حق(right) ہے کہ جسے خیر (good) سمجھے اپنی ذاتی زندگی میں اسے خود اختیار کرے' دوسرے کو اختیار کرنے پر مجبور نہ کرے۔ اپنی مرضی' آزادی' اختیارِ مطلق سے آپ جس خیر کو اختیار کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ دوسرے معنوں میں خیر کی بحث بے معنی ہے' خیر کچھ نہیں ہوتا' اصل چیز پیسہ ہے' بس پیسے کماؤ' جدید نظام تعلیم اور تعلیمی اداروں کا یہی مقصد ہے۔

حسین نصر نے بھی یہ بات لکھی ہے کہ مغرب میں اسپورٹس ہیرو کی ایک سال کی آمدنی ایک بہت بڑے سائنس دان اور عظیم مفکر کی پوری زندگی کی آمدنی سے زیادہ ہوتی ہے۔

There are now sports heroes who make more of a salary in one year than the greatest westren scientists or scholars will do in his or her life time. [S. H. Nasr: A Young Muslim's guide to the modern world, Suhail Academy Lahore, 1988, p.232]

مشہور فلسفی مائیکل سانڈل لکھتا ہے کہ امریکہ میں اسکول کا ایک عام استاد ایک سال میں ۴۳ ہزار ڈالر کماتا ہے' لیکن ڈیوڈ لیٹرمین جورات گئے فحش گوئی کے پروگرام کی میزبانی کرتا ہے اس کی سالانہ آمدنی اکتیس ملین ڈالر ہے۔ امریکہ کا سب سے عاقل' اہم ترین آدمی' سپریم کورٹ کا چیف جسٹس ایک سال میں صرف دو لاکھ سترہ ہزار چار سو ڈالر کماتا ہے اور ایک ٹیلی ویژن شو کی جج جوڈی ایک سال میں ۲۵ ملین ڈالر کما لیتی ہے۔

- ☆ *The average school teacher in the United States makes about $43,000 per year. David Letterman, the late-night talk show host, earns $31 million a year.*
- ☆ *John Roberts, chief justice of the U.S. Supreme Court, is paid $217,400 a year. Judge Judy, who has a reality television show, makes $25 million a year. [Justice, What's The Right Thing To Do?, Michael J. Sandel ,p.162]*

اس صورت حال میں بچے اسکول جانا پسند کریں گے یا وہ کام کرنا پسند کریں گے جس کے حصول کے لیے صبح سے رات تک پڑھنے لکھنے اور سر کھپانے کی ضرورت نہیں' جس سے ان کی آمدنی بے پناہ ہو جائے؟

اسلامی اسکولوں میں جب آپ بچے کو اسلام' آخرت اور بہترین آمدنی' بہترین معیارِ زندگی' بہترین دنیا'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی دو مختلف تصوراتِ خیر کی طرف بلاتے ہیں تو بچہ کون سا تصورِ خیر اختیار کرے گا؟ اگر آج کی نسل معیارِ زندگی بلند کرنے کے لیے غیر اخلاقی پیشوں کو بے تابانہ اختیار کرنا چاہتی ہے تو اس کا سبب ہمارے غلط نظریات ہیں۔ ہر تہذیب میں تصورِ خیر (concept of good) صرف ایک ہوتا ہے۔ اسلامی تہذیب کا تصورِ خیر توحید ہے' مغرب کا تصورِ خیر آزادی ہے' جس کی دو شکلیں ہیں: ایک تجریدی (abstract) یعنی ووٹ (vote) دوسری ٹھوس (concrete) وہ ہے سرمایہ (capital)۔ سرمائے کے بغیر آزادی کا حصول ممکن نہیں اور جدید نظامِ تعلیم اور اس کے قائم کردہ ادارے سرمایہ داری کے لیے شاہ دولہ کے چوہے (corporate slaves) پیدا کرتے ہیں۔ یہ غلام سرمایہ' عیاشی' آزادی کے سوا کچھ اور سوچنے' کچھ اور کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ جس طرح دریا کا پانی بہہ کر سمندر کی طرف جاتا ہے' جس طرح کچھوے کا بچہ اس زمین پر آنکھ کھولتے ہی سمندر کا رخ کرتا ہے' اسی طرح جدید نسل تعلیم کے بحر سے باہر نکلتے ہی دنیا پرستی اور عیش پرستی کی طرف دوڑتی ہے۔

تصورِ خیر کی بحث بنیادی بحث ہے۔ خیر (good) اُس پیمانے کو کہتے ہیں جس پر ہر شے کو پرکھا جا سکے' لہٰذا پیمانہ ہمیشہ ایک ہوتا ہے' پیمانہ کبھی دو نہیں ہو سکتے۔ جب ہم دین اور دنیا کو برابر سمجھتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ A=B دوسرے معنوں میں B=A۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ دین کو دنیا کے پیمانے پر پرکھا جائے گا یا دنیا کو دین کے پیمانے پر پرکھا جائے گا؟ اگر دونوں برابر ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کو دنیا کے پیمانے پر پرکھنا بالکل درست ہے' لہٰذا عصرِ حاضر میں دین وہی ہے جو دنیا کے پیمانے پر پورا اترے۔ سرسید اور شبلی کے الفاظ میں سچا دین وہ ہے جو جدید تہذیب و تمدن اور زمانے کی ترقی کا ساتھ دے سکے۔ تفصیلات کے لیے حالی کی حیاتِ جاوید' ضیاء الدین لاہوری کی افکارِ سرسید' شبلی نعمانی کی علم کلام اور الکلام' اور سید سلیمان ندوی کی حیاتِ شبلی کا مطالعہ کیجیے۔ دوسرے معنوں میں ہم دین کے مطابق ڈھلنا نہیں چاہتے' بلکہ دین کو اپنے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں۔ ہم قرآن و سنت کے مقلد نہیں' شریعت ہماری مقلد ہے۔ شریعت حَکَم نہیں' ہمارا نفس حَکَم ہے۔

چونکہ دین اس امتحان میں ناکام ہے' وہ دنیا پرستی' مادّہ پرستی (materialism) اور مادہ پرستی (women worship) اور عیش پرستی کی دلیلیں مہیا کرنے سے قاصر ہے' لہٰذا دین کی تشکیل جدید (Reconstruction of Religious thought)' تعبیرِ نو' تعمیرِ نو' بلکہ تخریبِ نو کا کام زور و شور سے جاری ہے۔ ہماری نئی نسل اگر دنیا پرست بن گئی ہے' بہترین مستقبل کے لیے ترکِ وطن کر کے دار الحرب میں قیام اگر اس کی اولین ترجیح ہے' اگر عالم اسلام سے ذہانت کا انخلا (brain drain) ہو رہا ہے' ہر شخص دولت کے زیادہ سے زیادہ حصول کو اگر اپنا مقصدِ زندگی بنا چکا ہے' تو اس کا سبب ہمارا یہ نیا عقیدہ ہے کہ دین و دنیا برابر ہیں۔ کیونکہ دنیا پہلے ہے آخرت بعد میں' لہٰذا دنیا پہلے دین بعد میں۔ بعض جدیدیت پسند کہتے ہیں کہ قرآن میں بھی یہی آتا ہے: ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً......﴾ (البقرۃ: ۲۰۱) ڈاکٹر حسین نصر کے بیٹے ولی رضا نصر کی کتاب Islamic Capitalism اب نئے نام Meccanomics سے منظر عام پر آئی ہے' جو اسلامی دنیا میں سرمایہ دارانہ اسلام یا اسلامی سیکولرازم کے جدید مظاہر' آثار سے آگاہ کرتی ہے' جو مغرب کو مطلوب ہے۔ ہمارے تعلیمی ادارے ایسی ہی نسل تیار کر رہے ہیں جو رسوم و رواج' عادات و اطوار اور بعض مظاہر کی سطح پر مذہبی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو، لیکن ذہنی، قلبی، عقلی طور پر مادّہ پرستی کی غلام ہو۔

جب آپ مغربی تصورِ خیر ''زیادہ آمدنی بہترین معیارِ زندگی'' بلکہ معیارِ زندگی میں مستقل اور مسلسل اضافے کو بھی اسلامی تصورِ خیر کے طور پر قبول کریں گے کہ اس میں کیا ہرج ہے تو آپ کی بیٹی شریف عورت، بیوی، ماں نہیں، سپر اسٹار بننا پسند کرے گی۔ آپ کے بچے عالم دین نہیں بنیں گے، کیوں کہ یہ ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں گے۔ نہ وہ کسی ایسے پیشے اور فن کو اختیار کریں گے جس میں کم پیسے ملتے ہوں، کیونکہ زندگی کا مقصد آزادی (freedom)، سرمایہ کا ارتکاز (accumalation of capital) معیارِ زندگی کے خدا کی پرستش (worship of standard of living)، HDI میں اضافہ اور عیش وعشرت، لذت پرستی (hendonism) ہے۔ علم وہ ہے جس سے ترقی اور اچھی نوکری ملے۔ اتنا پڑھ لکھ کر اگر اتنے کم پیسے ملتے ہیں تو ایسے علم کا کیا فائدہ؟ جب زندگی کا مقصد معیارِ زندگی میں اضافہ ہے تو اس مقصد کی خاطر دین، اخلاق، تہذیب، تمدن، اَقدار و روایات سب کچھ قربان کی جا سکتی ہیں۔ ہر عقیدہ اور ایمان، خواہ صحیح ہو یا غلط، اُس کی ایک قیمت ہوتی ہے۔ دنیا پرستی کی ایک قیمت ہے جو نئی نسل ادا کرنا چاہتی ہے۔ دین و دنیا کو یکساں سطح پر رکھنے کی بھی ایک قیمت ہے۔ بالکل اسی طرح توحید پرستی کی بھی ایک قیمت ہے، جو سب کو معلوم ہے، مگر ہم اسے ادا کرنا نہیں چاہتے، لہٰذا مذہبی تاویلوں میں الجھے رہتے ہیں۔ دو مختلف بلکہ متضاد تصوراتِ خیر کو یکساں سمجھنے کی اس بنیادی غلطی کے باعث ہمارے اسلامی اسکولوں میں دی گئی اسلامی تعلیمات، تجوید کے اسباق، ان بچوں کی درست سمتِ سفر متعین نہیں کر سکیں گے۔

جدید اسکول اٹھارہویں صدی کے جدید مغرب کی ایجاد ہیں، لہٰذا ان اسکولوں اور اس کے نظام سے وہی تصویریں نکلیں گی جو مغرب کو پسند ہیں۔ اصل سوال وہ ہے جو شیر کے جواب میں پنہاں ہے کہ یہ تصویر میں نے نہیں بنائی ورنہ میں شیر کی تقدیر بدل دیتا۔ یہ تصویر شیر بناتا تو انسان وہاں ہوتا جہاں اب شیر کو دکھایا گیا ہے، یعنی شیر کے قدموں میں۔ بالکل اسی طرح یہ جدید مغربی اسکول ہماری علمیت، اسلامی تاریخ و تہذیب نے تخلیق نہیں کیے، مگر اب یہ اسکول مغرب سے متاثر ہو کر ہم نے بھی بنا لیے ہیں تو کم از کم ان اسکولوں سے نکلنے والی نسل کی تصویر کیسی ہونی چاہیے؟ ہم سب کا دینی، ملی، اخلاقی، تہذیبی، ایمانی فریضہ ہے کہ اس سوال کا جواب مل جل کر تلاش کریں۔ ابتدائی کوشش کے طور پر اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے متذکرہ بالا اسلامی اسکول کی کتابوں کا مختصر تجزیہ پڑھیے:

پہلی کتاب The Pan Cake کہانی ہے۔ شیف یعنی باورچی سر پر سفید ٹوپی اوڑھے سفید کوٹ پہنے ہوئے نہایت مہذب طریقے سے باورچی خانے میں کیک بنانا سکھا رہا ہے: ایک پیالہ لو، اس میں آٹا اور انڈے (eggs and flour) ڈالو اور اس میں دودھ (milk) ڈالو۔ ان اجزاء کو پھینٹ لو۔ اب حلوہ بھوننے والے برتن (فرائنگ پین) میں مکھن ڈالو۔ باورچی مکھن برتن میں ڈال کر اس میں دودھ، انڈے، آٹے کا آمیزہ شامل کر دیتا ہے، اور پھر کیک بن جاتا ہے۔ وہ کیک ہوا میں اچھال کر کرتب دکھا رہا ہے۔ باورچی خانہ میں کُتا بھی بیٹھا ہوا ہے۔ بچے کیک کے اچھلنے کا منظر حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔ بچے برتن ہاتھوں میں پکڑ کر دوڑ رہے ہیں اور کیک اچھال کر اسی برتن میں گرا رہے ہیں۔ یہ کمالات ہیں۔ ایک لڑکی کیک اچھالتی ہے تو وہ کیک فرائی پین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں واپس گرنے کے بجائے محترمہ کے سر کو چھو لیتا اور وہیں قیام پذیر ہو جاتا ہے۔ پیچھے آنے والا ہجوم چیخ رہا ہے' خوش ہو رہا ہے' تالیاں بجا کر شور مچا رہا ہے۔لکھا ہے: The Pan cake race۔ اسلامی اسکول میں تہذیب کا سبق ہم مغربی طور طریقوں سے سیکھتے ہیں۔ اس کی دلیل عموماً یہ دی جاتی ہے کہ مغرب کی غالب تہذیب' تمدن' معاشرت سے واقفیت ضروری ہے' اگر ہم مغرب کی چیزوں سے واقف نہ ہوئے تو مغرب سے بہت زیادہ مرعوب ہوں گے۔ واقفیت اس مرعوبیت کو کم کر دے گی۔

دوسری کتاب کا نام ہے Who is it?۔ ایک چراغ جل رہا ہے' بچہ سامنے کھڑا ہے' پیچھے کھڑے ہوئے دو بچوں کا سایہ دیوار پر پڑ رہا ہے۔ بچے سایہ دیکھ کر حیران ہیں' پوچھتے ہیں Who is it? بچے بتاتے ہیں کہ یہ Biff اور Chip کا سایہ ہے۔ پھر امی اور Kipper کا سایہ آ جاتا ہے۔ امی ہاتھ میں مچھر مار آلہ لے کر ایک مکھی مار رہی ہیں۔ پھر کُتے کا سایہ آتا ہے' پھر خلائی انسان (Space man) کا سایہ نظر آتا ہے۔ بچے حیران ہیں کہ خلا نورد یہاں کیسے آ گیا ہے؟ پھر والد محترم ہنستے ہوئے آتے ہیں۔ بچے کہتے ہیں: No, Its Dad ارے یہ تو ابو جان ہیں! موصوف کے منہ میں سگار ٹائپ پائپ لگا ہوا ہے' جنگل کے طوطوں جیسے رنگ برنگے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ عصر حاضر کا رنگ یہی ہے' بڑے بوڑھے اور مذہبی لوگ بھی اب شوقیہ رنگ برنگے کپڑے پہنتے ہیں اور سفید کپڑے پہننے والوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ کوئی ڈاکٹر' نرس' باورچی' ٹریفک پولیس' نیوی کے افسروں سے نہیں پوچھتا کہ تم ہمیشہ سفید کپڑے کیوں پہنتے ہو؟ کوئی ڈاکٹر سے نہیں پوچھتا کہ زخمی کو ہمیشہ سفید پٹی کیوں باندھتے ہو؟ کوئی پولیس اور فوجی سے نہیں پوچھتا کہ ہمیشہ ایک رنگ کا لباس کیوں پہنتے ہو؟

تیسری کتاب کی کہانی ہے The Lost Teady۔ امی اور بیٹا سفر کے لیے نکلتے ہیں تو منے میاں بھالو لے کر بس میں بیٹھتے ہیں۔ بس سے اترتے ہوئے بچہ بھالو نشست پر بھول جاتا ہے۔ بس چلی جاتی ہے اور بچہ رونے لگتا ہے' میرا بھالو' میرا بھالو۔ گھر پہنچتے ہیں تو منے میاں نہایت غمزدہ' آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہیں۔ اداسی نے گھر کے در و بام پر اپنے بال پھیلا دیے ہیں۔ تمام بہن بھائی طرح طرح کے قسم قسم کے کھلونوں کا ان کے بستر پر ڈھیر لگا دیتے ہیں' مگر وہ تمام کھلونے مسترد کرتے ہیں' کوئی ان کو پسند نہیں آتا' کسی پر نظر نہیں ٹھہرتی۔ عالی شان گھر کے عالی شان کمرے میں گھڑی لگی ہے' مہنگا ٹیبل لیمپ رکھا ہے' شاندار مسہری ہے' قیمتی خوبصورت قالین (کارپیٹ) بچھا ہوا' نرم نرم موٹے موٹے تکیے ہیں' کرسی پڑی ہوئی ہے' دیواروں پر مصوری کے شاہکار لگے ہیں' کھڑکی میں بہت بڑا شیشہ لگا ہے جس سے رات کا منظر' عمارتیں' چاند' ستارے' پودے' درخت سب نظر آ رہے ہیں' مگر منے میاں کا غم کم نہیں ہوتا' آنسو تھمتے نہیں' ہچکیاں' سسکیاں بند نہیں ہوتیں۔ روتے روتے سو جاتے ہیں۔ رات جیسے تیسے گزر جاتی ہے۔ صبح سویرے امی ان کو بس کمپنی کے دفتر لے جاتی ہیں جہاں مسافروں کی کھوئی ہوئی اشیاء املاک وغیرہ' Lost Property کا مال خانہ (اسٹور) ہے' جہاں بس سے ملنے والی اشیاء جمع کی جاتی ہیں اور مسافروں کو واپس کی جاتی ہیں۔ منے میاں کو بھالو مل جاتا ہے' ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں۔ یہ کس قسم کا بچہ خلق ہوا ہے جو دنیا بھر کے کھلونے پا کر بھی خوش نہیں ہے اور اس بچے کی تعلیم و تربیت' اصلاح کرنے والا بھی کوئی نہیں' سب اُس کی ہر خواہش پوری کر رہے ہیں۔ جدید اکنامکس اسی انسان کے لیے پیدا ہوئی ہے' لہٰذا اکنامکس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان‘ انسان نہیں Homoeconomicus کہلاتا ہے‘ ایک افادی‘ حسی‘ تجربی‘ لذت پرست وجود۔ اکنامکس انسان کو طالبِ لذات جانور قرار دیتی ہے(Man is a pleasure seeking animal)۔ ظاہر ہے طالبِ لذات وہی کام کرے گا جو منے میاں کر رہے ہیں‘ لہٰذا جدیدیت کا مسئلہ نفس مطمئنہ سے کامل محرومی ہے۔

چوتھی کتاب کی کہانی کا عنوان ہے Look Out۔ عالی شان گھر ہے‘ جس میں شان دار موٹر سائیکل بچوں والی کھڑی ہے۔ گھر کے اندر صحن چمن ہے‘ بہترین چمکتی دمکتی گاڑی کھڑی ہے۔ گھاس میں منے میاں موٹر سائیکل چلانے کی تیاری کر رہے ہیں‘ سر پر ہیلمٹ باندھ رہے ہیں۔ امی گھاس کاٹنے کی مشین سے گھاس کاٹ رہی ہیں۔ منے میاں موٹر سائیکل چلاتے ہیں تو کئی گملوں کو گرا دیتے ہیں۔ شور دھواں پھیل رہا ہے۔ کتا بھاگا ہوا آ رہا ہے‘ بلّی خوف زدہ ہے آواز سے۔ امی نے ہاتھ میں دستانے پہنے ہوئے ہیں۔ وہ باغ بانی (gardening) میں مصروف ہیں‘ مگر چیخ رہی ہیں کہ تم کیا کر رہے ہو منے! امی نے پتلون قمیض پہن رکھی ہے...... اسلام نے کب منع کیا ہے کہ عورت مرد جیسے کپڑے نہ پہنے؟...... اور ویسے بھی دنیا کو سب سے پہلے عورت مرد کی مساوات کا سبق تو اسلام نے ہی دیا ہے اس طرح کے کپڑے پہن کر ہی عورت کو آزادی کا احساس ہوتا ہے...... بہن خیمے میں بیٹھی ہے‘ خیمے کے اوپر تار پر بہن کے کپڑے ٹنگے ہوئے ہیں۔ منے میاں غلط موٹر سائیکل چلاتے ہیں۔ خیمے کی میخ نکل جاتی ہے‘ کپڑوں کا تار منے کی گردن میں — تمام کپڑے گر جاتے ہیں۔ بہن چیختی ہے‘ منے میاں گھر میں گھس جاتے ہیں۔ پھلوں کی الماری‘ دوات کی بوتلیں‘ رنگ‘ منظر نامے (scenery) سب گرا دیتے ہیں۔ کمرے کا حشر نشر ہو جاتا ہے۔ ابا امی حیرانی سے دیکھتے ہیں مگر چپ ہیں۔ ڈبل روٹی اِدھر اُدھر اڑ کر گر رہی ہے۔ آخر کار امی آ جاتی ہیں‘ راستہ بناتی ہیں‘ گملے رکھتی ہیں‘ سڑک کا منظر پیش کر دیتی ہیں۔ ایک بچے کے ہاتھ میں ”رکو“ (Stop) کا گتہ دیتی ہیں۔ ایک بچی کے ہاتھ میں ”بچو رک جاؤ“(Stop Children) کا پلے کارڈ ہے۔ کتا نگرانی کر رہا ہے۔ راستے بن گئے ہیں‘ ٹریفک کا نظام قائم ہو گیا ہے‘ مُنّے میاں مہذب (civilized) ہو گئے ہیں‘ اب وہ طے شدہ راستے پر سفر کریں گے‘ ان شاء اللہ نقصان نہیں ہو گا۔ نظم و ضبط تو اسلام بھی سکھاتا ہے...... مغرب نے یہ سب کچھ اسلام سے لیا ہے...... اسلام کی میراث ہم آکسفرڈ کی کتابوں کے ذریعے مسلمانوں کو منتقل کر رہے ہیں‘ اس میں کیا ہرج ہے؟

پانچویں کتاب کا نام ہے Fun at the Beach۔ سرورق پر ایک عورت نیکر پہنے بچی کے ساتھ ساحل سمندر کی سیر کر رہی ہے۔ منے میاں‘ ابا امی‘ بہن بھائی کُتّے کے ساتھ جا رہے ہیں۔ ایک آدمی تماشہ دِکھا رہا ہے۔ آئینے کے اندر امی ابا کی شکل بدل گئی ہے۔ آئینوں میں کُتّے‘ امی ابا‘ بچے عجیب و غریب نظر آ رہے ہیں‘ سب کا حلیہ خراب ہو گیا ہے۔ کتا بھی بالکل ٹیڑھا پتلا باؤلا لگ رہا ہے۔ بچے کھیلوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ ابا کُتّے کو پکڑے کھڑے ہیں۔ اب کُتے کو کُتوں کے مخصوص علاقے (Dog Area) میں چھوڑ دیا گیا ہے۔ واپس جاتے ہوئے ابو کُتّے کو لینے آئے تو وہ اتنی زور سے اچھلا کہ ہر طرف مٹی اڑنے لگی۔ بچے کہہ رہے ہیں: Oh Floppy ہر کہانی کا مقصد لطف‘ مزہ‘ ہنسی‘ مذاق‘ enjoyment ہے‘ کیونکہ یہی زندگی ہے‘ جان ہے تو جہان ہے۔ یہی پیغام ہے — اسی لیے تعلیم بھی اب کھیل تماشا بنادی گئی ہے‘ Fun to learn اسی کا نام ہے۔ جس زندگی کا آغاز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لہوولعب سے ہو اس زندگی میں سنجیدگی، تحمل اور دینی اقدار، مذہبی مزاج، نبوی طریقے کیسے زندہ رہ سکتے ہیں؟ لہٰذا لہوولعب کی دینی تعبیر وتفسیر عام ہو رہی ہے۔

تصویری کہانی ہے At School ۔ منے کی امی روتے دھوتے منے کو اسکول کے پہلے دن کھینچتے ہوئے اسکول میں زبردستی لے جا رہی ہے۔ منے نے اسکول کے جنگلے کا کونا پکڑ لیا ہے، وہ اندر نہیں جانا چاہتا، ماں زبردستی کھینچ رہی ہے، وہ رو رہا ہے۔ بچے کھڑکی سے منے کو دیکھ کر ہنس رہے ہیں۔ ٹیچر بھالو لے کر منے کو بہلا رہی ہے، پچکار رہی ہے۔ آخر کار ماں زبردستی بچے کو اندر چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ یہ عجیب ماں ہے جو بچے کو گود میں اٹھانے کے بجائے کھینچا تانی کر رہی ہے۔ محبت تو اس عمل سے ظاہر نہیں ہے۔ منے میاں اندر جا کر بہت خوف زدہ ہیں۔ بچے اور ٹیچر انہیں محبت سے کھلونے دکھاتے ہیں۔ آخر کار لالچ میں منے میاں کلاس میں آجاتے ہیں۔ وہاں بچے عجیب عجیب کام کر رہے ہیں۔ کلاس زبردست ہے، کچھ بچے میز کرسی پر بیٹھ کر چھری چاقو کانٹے سے کھا رہے ہیں، کچھ استری کر رہے ہیں، کچھ پکا رہے ہیں، کچھ کھیل رہے ہیں۔ ہر طرف سامان ہی سامان ہے۔ منے میاں بھی کھیل کے طلسم خانے میں گم ہو جاتے ہیں، وہ بھی کچھ پکانے لگتے ہیں۔ اتنے مزے! ارے یہ تو اسکول نہیں ہے، یہ تو گھر میں کھیلوں کا کمرہ ہے۔ منے کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ اسکول کا وقت ختم ہو جاتا ہے، امی منے کو لینے آتی ہیں، منے میاں گھر جانے پر آمادہ نہیں۔ ٹیچر خدا حافظ کہہ رہی ہیں، منے میاں رو رہے ہیں، جنگلہ پکڑ کر زور لگا رہے ہیں، امی کھینچ تان کر رہی ہیں۔ پہلے اسکول جانے پر راضی نہیں تھے، اب اسکول سے آنے پر راضی نہیں ہیں۔ امی پہلے بھی منے کو کھینچ رہی تھیں اب بھی کھینچ رہی ہیں۔ ماں کی مامتا سے محروم ایک کریہہ وجود ہے جو بچے سے زور آزمائی کر رہا ہے۔ اسے گود میں اٹھاؤ، پیار کرو۔ اسے اسکول کے جبر سے آزاد کرو! اتنے چھوٹے بچے کو اتنی کم عمر میں اسکول بھیجنے کی کیا ضرورت ہے؟ ظاہر ہے یہ مشورہ عصر حاضر کے انسان کے لیے نامعقول، احمقانہ، ظالمانہ ہوگا، کیونکہ اس کی عقلیت نے اس جبر کو بہ رضا و رغبت قبول کر لیا ہے۔ عہدِ حاضر کے لوگ پابندی، جبر، تسلط کو سخت ناپسند کرتے ہیں، لہٰذا جبر کوئی بھی ہو اسے ناپسند کیا جائے۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ لوگوں کے لیے فریڈم کا جبر قابلِ قبول ہے۔ اسی لیے تو دو سال کے روتے ہوئے بچے کو بستر سے کھینچ کر مارتے، پیٹتے، ڈانٹتے ڈپٹتے چیختے چلاتے، شور مچاتے ہوئے دھکے دے کر بغیر ناشتے کے ایک گاڑی میں جبراً بٹھا کر صبح سویرے قید خانے بھیج دیا جاتا ہے اور اس پر تمام مہذب انسان فخر کرتے ہیں۔ تاریخ کے کسی معاشرے میں ایسا بدترین جبر کبھی نہیں ہوا، نہ مذہب کے دور میں، نہ بادشاہت کے دور میں، نہ فلاسفہ کے دور میں۔ یہ سرمایہ داری کا جبر ہے جو آزادی کے نام پر نہ صرف مسلط ہوا بلکہ تہِ دل سے تمام اقوام عالم، ملتوں اور امتوں نے مشترکہ طور پر قبول کر لیا اور اس کی مذہبی دلیلیں بھی ایجاد کر لی گئیں۔ لبرل ازم کے عقیدوں کے عین مطابق جو جبر انسان مرضی سے قبول کر لیتا ہے اسے لبرل ازم میں آزادی کہا جاتا ہے، جو مرضی سے قبول نہیں کرتا اسے جبر کے ذریعے آزادی قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ یہ جبر لبرل ازم میں عین عدل کہلاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی جبر کو اپنی مرضی اور آزادی سے لیکن تعقل مذہبی (Religious rationality) کی بنیاد پر قبول کرتا ہے تو ایسی آزادی کو لبرل ازم میں آزادی نہیں پابندی، جہالت، ضلالت، گمراہی اور بدترین ظلم قرار دیا جاتا ہے۔ کیونکہ جدید مغربی فلسفے (ماڈرن ازم اور پوسٹ ماڈرن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ازم) کے مطابق ہر عاقل انسان آزادی ہی پسند کرتا ہے' کسی قسم کی خارجی (external) پابندی پسند نہیں کرتا۔ مذہب کی پابندیاں آسمان سے آتی ہیں اور انسانی آزادی میں کمی کر دیتی ہیں۔ کانٹ نے انسان کی تعریف یہی کی ہے کہ جو کسی خارجی ذریعے سے' وحی الٰہی سے' کسی عالمِ دین سے' علمِ ہدایت روشنی نہیں لیتا' تمام فیصلے عقلیت کی بنیاد پر کرتا ہے۔ ہدایت کے لیے انسان اپنے سے باہر' خارج کی طرف نہیں دیکھتا' بلکہ اپنے اندر جھانکتا اور عقل سے رجوع کرتا ہے' کیونکہ انسان علم' روشنی' ہدایت میں خود کفیل ہے' اسے کسی سے روشنی لینے کی ضرورت نہیں۔ تفصیلات کے لیے انٹرنیٹ پر کانٹ کا مضمون What is enlightenment کا مطالعہ کیجیے' اور اس کی تشریح فوکالٹ کے قلم سے پڑھیے۔ فوکالٹ کا مضمون What is enlightenment کے نام سے نیٹ پر موجود ہے۔

جدیدیت کا عقیدہ ہے ''آزادی کے عقیدے پر ایمان لاؤ کہ عقیدہ دلیل سے ماوراء ہوتا ہے''۔ Believe in Freedom...... اس بارے میں کسی سوال اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ جو اس کا انکار کرے گا اس کے خلاف NATO' UNO' USA سب مل کر حملہ کریں گے۔ آزادی take for granted ہے' یہ بدیہی' آفاقی سچائی ہے۔ اس کی کوئی عقلی دلیل نہیں' یہ دلیل کا نہیں ایمان کا معاملہ ہے' آزادی کے عقیدے پر سب کو ایمان لانا ہوگا۔ جو آزادی کے عقیدے کا انکار کرے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ مائیکل مین کی کتاب The Dark Side of Democracy جمہوریت کے ذریعے آزادی کے عقیدے کے تسلط کے لیے دنیا بھر میں ہونے والے جمہوری قتل عام کی داستان بیان کرتی ہے۔ جمہوریت پر امن طریقے سے نہیں آئی' یہ قتل عام کے بعد مسلط ہوئی ہے۔ اسی آزادی کے لیے امریکیوں نے دس کروڑ ریڈ انڈینز کو قتل کیا۔ تفصیلات اسی کتاب میں پڑھیے۔ ظاہر ہے جب جمہوریت کے تمام مخالفین کو قتل کر دیا گیا تو دنیا پر امن ہوگئی۔ لہٰذا اب جمہوریت پر امن طریقے سے آتی ہے اور دنیا کو بتایا جاتا ہے کہ جمہوریت ہی پر امن تبدیلی کا واحد راستہ ہے۔ الجزائر' ترکی' بنگلہ دیش' مصر' ہر جگہ پر امن طریقے سے جمہوریت آ رہی ہے۔ جدید تعلیمی اداروں میں جمہوریت کی خونی تاریخ نہیں پڑھائی جاتی۔ عالم اسلام میں جمہوریت کو اسلام سے برآمد کر لیا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے جمہوری وزیراعظم ثابت کیے جاتے ہیں' جبکہ اس جمہوریت میں نہ کسی کو الیکشن لڑنے کی اجازت تھی نہ الیکشن مہم چلانے کی۔ نہ ووٹر لسٹ تھی نہ چیف الیکشن کمشنر۔ اس عظیم جمہوری الیکشن کا نتیجہ ووٹنگ سے پہلے سنا دیا گیا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہیں اور نتیجہ سنانے کے بعد سب بیعت کرنے یعنی ووٹ ڈالنے آ گئے اور کئی مہینوں تک بیعت کر کر کے ووٹ ڈالتے رہے۔ ووٹ خفیہ ہوتا ہے۔ یہ عجیب ووٹ ہے جو خفیہ نہیں اور ایک شخص کو حاکم منتخب کرنے کے بعد ڈلوایا جا رہا ہے۔ اسلامی جمہوریت کی یہ شکلیں اسکولوں میں پڑھائی جا رہی ہیں۔

لبرل ازم کے عظیم سیاسی فلسفی جان رالز کا شارح Derben لکھتا ہے کہ جو شخص آزادیٔ جمہوریت کی عقلی دلیل طلب کرتا ہے ایسے جاہل شخص کو کوئی جواب نہ دو' اسے گولی مار دو...... ان موضوعات پر دلیل دینے کی بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ سب الحق' الخیر' العلم ہیں' یہ بدیہی حقیقتیں ہیں جو کسی دلیل کی محتاج (taken for granted) نہیں۔ یہ self evident evidence ہیں۔

What Rawls is saying is that there is in aconstitutional liberal

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

democracy a tradition ofthought which it is our job to explore and see whether it can be made coherent and consistent... We are not arguing for such a society. We take forgranted that today only a fool would not want to live in such a soceiety... If one cannot see the benefits of living in a liberal constitutional democracy, if one does not see the virtue of that ideal, then I do not know h ow to convinceh im.Tboe perfedt ybl untnsometimes I am asked,when I go around speaking for Rawls,what do you say to an Adolf Hitler? the answer is (nothing) You shoot him. You do not try to reason with him. Reason has no bearing on this question. So I do not want to discuss it

[Derben, On Rawls & Political Liberalism, 2003: 328-329]

اصلاً ہم بچے کو ایک ماہ کی عمر میں ڈے کیئر سینٹر اور ڈیڑھ سال کی عمر میں اسکول کے سپرد کر کے اس کی آزادی سلب کر رہے ہیں' لیکن اپنی آزادی میں اضافہ کر رہے ہیں کہ عصر حاضر کی ماں سے بچے کا بوجھ نہ اٹھایا جاتا ہے' نہ اس کا شور گھر میں دن بھر برداشت کیا جاسکتا ہے۔ بچے' ماں اور گھر والوں کی آزادی کا تقاضا یہی ہے کہ بچے کو ڈے کیئر سینٹر یا اسکول بھیج کر آزاد کر دیا جائے۔ جس معاشرے میں ڈے کیئر سینٹر کھلتے ہیں اسی معاشرے میں اولڈ ہوم بھی کھولنے پڑتے ہیں۔ جب ماں باپ کے پاس بچے کے لیے وقت نہیں ہے' انہیں سرمایہ اور آزادی چاہیے تو بچے کے پاس بھی آپ کے بڑھاپے میں آپ کی خدمت کے لیے وقت نہیں ہے' اسے بھی سرمایہ اور آزادی چاہیے۔ یقیناً ڈے کیئر سینٹر' اسکول' اولڈ ہوم ہماری آزادی میں بے پناہ اضافہ کر دیتے ہیں۔ لیکن کیا ہمیں آزادی کی منحوس شکلیں قبول ہیں؟ ہماری اسلامی تاریخ میں اور دنیا کی تیئس بڑی تہذیبوں میں یہ تینوں ادارے کیا موجود تھے؟ بلکہ ان تہذیبوں میں ہسپتال' جیل خانے' ہوٹل' ریسٹورینٹ' پاگل خانے' زچہ خانے' بھی نہیں تھے' تو سوال یہ ہے کہ کیوں نہیں تھے؟ ہابیل' قابیل' حضرت موسیٰ علیہ السلام ' حضرت عیسیٰ علیہ السلام ' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میٹرنٹی ہوم کے بغیر پیدا ہوئے تھے۔ اہرامِ مصر' دمشق کی اموی مسجد' تاج محل' قرطبہ' عاد و ثمود' مصر' روم' یونان' ایران' چین' ہندوستان اور بابل و نینوا کے عجائبات تعمیر کرنے والے اسکول' کالج' انجینئرنگ یونیورسٹی' آرٹ اسکول کے بغیر یہ کمالات کیسے تخلیق کرتے تھے؟ کم از کم ان سوالات پر غور کی ضرورت تو ہے۔

اللہ کی عبادت کا بچے کو سات سال کی عمر میں حکم دیا جاتا ہے' جبکہ مادّہ پرستی' ترقی' مال و دولت کی عبادت اس پر ایک سال کی عمر سے پہلے فرض ہو جاتی ہے۔ اس کا نام آزادی ہے۔ ایک جانب مغرب تنوع کی بات کرتا ہے' دوسری جانب اسکول میں خاص قسم کا لباس پہنا کر تنوع ختم کر دیا جاتا ہے۔ اللہ کے گھر میں عبادت کے لیے آنے والوں کے لیے لباس کی کوئی خاص شکل یا رنگ مخصوص نہیں کیا گیا' مگر اسکول میں خاص لباس کے بغیر داخلہ ممنوع ہے۔ اسے آزادی کہتے ہیں' یعنی حصول آزادی کے لیے پابندی کا سخت ترین نظام۔ بہت سے ملکوں میں تعلیم لازمی ہے' اس کے بغیر آزادی نہیں مل سکتی۔ دوسرے معنوں میں لوگوں کو آزادی' سرمایہ داری' لبرل ازم' سیکولر ازم کا جبر نظر نہیں آتا' اسلام کا جبر سب کو نظر آجاتا ہے۔ آزادی کا ہر جبر جائز قانونی اور حقیقی ہے' مذہب کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھوڑا سا جبر بھی ناجائز، غیرقانونی ہے۔ اسکول آزادی اور سرمایہ کا جبر ہے۔ (School is the tyranny of freedom & Capital) ...... یہ جبر عین حق ہے۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ تعلیم اور عورتوں کی تعلیم پر اس قدر زور کیوں ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ عورت کو مرد کے برابر لانے بلکہ مرد جیسا بنانے کا فائدہ کسے ہے اور کیسے ہے؟ تعلیم عام کرنے کے لیے مغربی ممالک اربوں کھربوں روپے کیوں خرچ کر رہے ہیں؟ UNO تعلیم عام کرنے کے لیے Marriage Free Zone تو بنا رہے ہیں، لیکن Rape Free Zone کیوں نہیں بنا رہے؟ ان سوالوں کا جواب اس صدی کے سب سے بڑے سیاسی فلسفی John Rawls نے اپنی آخری کتاب میں کس خوبصورتی سے دیا ہے:

> *China have imposed harsh restrictions on the size of faimlies & have adopted other draconian measurs but there is no need to be so harsh. Instructive here is the Indian state of Kerala, which in the late 1970s empowered women to vote & to participate in politics to receieve & use education & to own & manage wealth & property. As a result, within several years Kerala's birth rate fell below China's without invoking the corecive powers of the state. China's birth rate in 1979 was 2.8 , Kerala's 3.0. In 1991 these rates were 2.0 & 1.8 respectively. [John Rawls., The Law of People with the Idea of Public Reason Revisited, Harvard University Press, USA. 2003, p. 110]*

چھٹی کتاب کا نام ہے A Good Trick ۔ بہت بڑے ڈبے سے غالیچہ (A- rug) نکالا جا رہا ہے، بچے حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔ غالیچے کے نیچے سفید چادر (A sheet) ہے، اسے اتارا گیا، اس کے اندر سے بڑا ڈبہ (A big box) نکلا، اب عورت مرد اس ڈبے کو اوپر اٹھاتے ہیں، اس کے اندر سے ایک چھوٹا ڈبہ (A little box) نکلتا ہے۔ اب عورت مرد پوچھتے ہیں بتاؤ اس کے اندر کیا ہے؟ ڈبہ کھلتا ہے، اس کے اندر سے مسکراتا ہوا بچہ نکلتا ہے جس کا نام ہے Kipper ۔ یہ ہے ترکیب (Trick)۔ پری نرسری کے بچے کو کرتب اور شعبدے بتائے جا رہے ہیں، مگر کیوں؟ کیا وہ حقیقت اور شعبدے میں فرق کر سکتا ہے؟

اور اب ساتویں مگر آخری کتاب پڑھیے Six in a Bed ۔ امی ابو بستر میں لیٹے ہوئے رسالہ اور کتاب پڑھ رہے ہیں۔ کمرہ نہایت شاندار، مسہری زبردست، اس پر چار موٹے موٹے نرم نرم تکیے۔ امی ابو کے سرہانے ٹیبل لیمپ دیوار میں نصب ہیں الگ الگ، تاکہ روشنی کتابوں پر آئے۔ چھوٹا بچہ بھی کتاب لے آتا ہے، کمرے کے کونے پر کھڑا ہو کر جھانکتا ہے، امی ابو اسے دیکھتے ہیں تو اپنے بستر پر بلا لیتے ہیں، وہ دونوں کے بیچ میں بیٹھ جاتا ہے، اپنی کتاب پڑھنے لگتا ہے۔ امی ابو اپنی کتاب اور رسالہ رکھ کر اس کے ساتھ مصروف ہو جاتے ہیں۔ بڑا بھائی بھی اپنا کھلونا لے کر امی ابو کے کمرے میں جھانکتا ہے، دونوں اسے بھی بلا لیتے ہیں، وہ بھی مسہری پر چڑھ جاتا ہے، اپنا بھالو ابا کے پاس رکھ دیتا ہے اور چھوٹے بھائی کی کتاب میں دلچسپی لیتا ہے، اشارہ کرتا ہے۔ بڑی بہن بھی اپنا بھالو لے کر پہنچ جاتی ہے، امی ابا اسے دیکھتے ہیں تو اسے بھی بستر پر بلا لیتے ہیں، وہ اپنی امی کے ساتھ بیٹھ جاتی ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھالو رکھ دیتی ہے اور چھوٹے بھائی کی کتاب میں دلچسپی لیتی ہے۔ اب گھر کی آخری عظیم ہستی کُتّے صاحب بھی تشریف لے آتے ہیں، وہ تنہائی کا شکار ہو گئے ہیں، لہٰذا وہ بھی دروازے سے جھانکتے ہیں، امی ابو بھی غور کر رہے ہیں کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کریں، وہ چھلانگ لگا کر مسہری پر چڑھتے ہیں، مسہری پہلے ہی وزن سے ڈانوا ڈول تھی، اب جو کُتّے کا وزن آیا تو مسہری کا توازن بگڑ گیا، ایک پایا ٹوٹ گیا، سب لوگ چیخ رہے ہیں، بھالو صاحب نیچے گر رہے ہیں، بہن بھی نیچے گر رہی ہے۔

ان کتابوں میں کس قسم کی معاشرت، کس قسم کا طرزِ زندگی بتایا گیا ہے؟ کتاب بچے کے لیے پری نرسری کی سطح پر آئیڈیل ہوتی ہے، کیوں کہ اس کی شخصیت بننے کے عمل میں ہوتی ہے۔ پڑھایا وہ جاتا ہے جو عالی، مثالی و معیاری (Superior, Ideal, Standrised) ہو — آپ کے دین، تاریخ، تہذیب، علیت اور کلیت سے ہم آہنگ ہو۔ تو کیا یہ نصابی کتابیں اس معیار پر اترتی ہیں؟

آکسفرڈ کی یہ کتابیں ایک خاص طبقۂ اشرافیہ (EliteClass) کے طرزِ زندگی کی ترجمانی کرتی ہیں، جس کا حصول ننانوے اعشاریہ ننانوے فی صد لوگوں کے لیے قیامت تک ناممکن ہے۔ آپ اعشاریہ ایک فی صد لوگوں کے طرزِ زندگی کو معیاری اور مثالی طرزِ زندگی کے طور پر پیش کر کے بچوں کو کس چیز کی طرف دعوت دے رہے ہیں؟ دنیا کی طرف یا آخرت کی طرف؟ حقیقت کی طرف یا خواب کی طرف؟ مادّہ پرستی کی طرف یا خدا پرستی کی طرف؟ — جو بچہ اپنی کتابوں میں ایک خاص مادّہ پرستانہ، پرتعیش، چھچھورے، غیر ذمہ دارانہ، غیر اخلاقی، احمقانہ، جاہلانہ طرزِ زندگی کو دیکھے گا کیا وہ اس سے مختلف طرزِ زندگی کو حیرت یا حقارت کے ساتھ نہیں دیکھے گا؟ وہ کتابوں میں بتائے گئے اس غیر حقیقی، ناممکن طرزِ زندگی کے حصول کا خواب بچپن سے دیکھے گا اور جب اسے پا نہ سکے گا تو یقیناً وہ خود کو محروم، مجبور، بے بس اور بے کس تصور کرے گا۔ جدید سیکولر نظامِ تعلیم اس طرزِ زندگی کے حصول کی آرزو اور جستجو کو زندگی کا اصل ہدف بناتا ہے۔ مختصراً اس نظام کا مقصد ناممکن کی جستجو ہے اور جو ممکن ہے اس نظام تعلیم کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے — کیا ان کتابوں سے بچے کی مذہبیت، اخلاقیات، ارادوں، عزائم، خواہشات میں بنیادی نوعیت کا تغیر واقع نہیں ہو گا؟

اس تجزیے کے ذریعے اس طریقے کو متعارف کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کے ذریعے تمام اسلامی اسکولوں کے مخلص منتظمین، اساتذہ، مالکان، سرپرست اپنے نصاب کا از سرِ نو جائزہ لیں اور کسی مشترکہ نئے نصاب کے انتظار کے بجائے موجود و میسر نصاب میں فوری اصلاح کا آغاز کر دیں۔

جدید اسکول کا نظامِ تعلیم عقلیت، آزادی، لذت پرستی، افادہ پرستی، نتائجیت پرستی، حسیت پرستی، تجربیت اور حقوق طلبی (Rationalism/ Freedom/ Hedonism/ utalitarianism/ Pregmatism/ Emprialism/ Demand of Rights) کے عقائد کی تعلیم دیتا ہے اور اسی کے مطابق نسلِ نو کی تعلیم و تربیت کرتا ہے، لہٰذا ان اداروں سے نکلنے والا وجود صرف ایک مادی وجود ہوتا ہے، وہ نورانی، روحانی، ایمانی اور اخلاقی وجود نہیں ہوتا۔ اسی لیے جدیدیت کے منہاج میں انسانی نفس ایک آزاد، خود مختار، فاعلِ مطلق، حق خود ارادیت کا حامل ہے، جس کے تزکیہ نفس کا کوئی نظام کسی نظریے (لبرل ازم، نیشنل ازم، سوشلزم، ہیومن ازم، فاشزم،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فیمن ازم‘ انارکزم) میں سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔

امرأ القیس کے بارے میں رسالت مآب ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ شاعر تو بہت اچھا ہے مگر قیامت کے دن جہنمیوں کا سردار ہوگا۔ رسالت مآب ﷺ کا فرمان یہ بتاتا ہے کہ آرٹ خواہ کس قدر قابل قدر ہی کیوں نہ ہو اگر وہ اخلاقی اقدار سے آزاد ہے تو اس کی اقدار تہذیب کے لیے تباہ کن ہوں گی‘ کیونکہ اخلاقیات سے آزاد ہونے کے بعد صالح زندگی تو درکنار انسانی زندگی بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ امرأ القیس کی شاعری کی طرح جدید سیکولر تعلیمی نظام بھی بہت اچھا ہے‘ مگر اس نظام سے نکلنے والوں کی منزل جنت نہیں۔ یہ نظام جنت کی طرف رہنمائی کرنے سے قاصر ہے‘ کم از کم یہ بات تو ہمیں تسلیم کر لینی چاہیے۔

سیکولر نظامِ تعلیم میں اسلامیات کا ایک پیریڈ پڑھانے‘ تجوید‘ ترجمے اور دعائیں یاد کرانے سے کوئی بنیادی تبدیلی نہیں آ سکتی‘ کیونکہ جو ذہنی سانچہ اور فکری ڈھانچہ یہ نظامِ تعلیم تخلیق کرتا ہے اسے اسلام کی جزوی تعلیم سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ برطانیہ کے تمام تعلیمی اداروں میں انجیل کی تعلیم لازمی ہے‘ مگر وہاں کے اسکولوں اور معاشرے کی مجموعی اخلاقی صورت حال کیا ہے‘ یہ سب کے علم میں ہے۔ کچھ یہی حال عالمِ اسلام کے اسکولوں کا ہے۔

آزادی‘ مساوات اور ترقی کے عقیدے کے نتیجے میں تزکیۂ نفس‘ اخلاقیات‘ انسان کے باطن کی تعمیر‘ اس کی اصلاح‘ جدید لبرل سیکولر جمہوری غیر جمہوری ریاست کے اہداف میں شامل نہیں رہی۔ اس کا نتیجہ امریکہ اور یورپ میں کیا نکلا؟ تمام نسلیں مجرم‘ بدکردار اور گناہوں میں گرفتار ہیں۔ اخلاقی طور پر ان کا جو حال ہے وہ وہائٹ ہاؤس سے صدر اوباما کی ہدایت پر جاری ہونے والی رپورٹ Rape & Sexual Assualt: A Reviewed Call to Action , Jan 2014 میں پڑھیے۔ یہ رپورٹ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت‘ سب سے زیادہ آزاد‘ تعلیم یافتہ‘ ترقی یافتہ قوم امریکہ کی بدترین حالت سے آگاہ کرتی ہے جو ہر پاکستانی کا آئیڈیل ملک ہے۔ یہ رپورٹ وہائٹ ہاؤس کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔ رپورٹ کے مطابق ۲۲ ملین امریکی عورتوں اور دو ملین لڑکوں سے جبری بدکاری کی جاتی ہے‘ رضامندی سے ہونے والے کروڑوں زنا اس فہرست میں شامل نہیں۔ اسکول‘ یونیورسٹی اور کالج میں جبری زنا کی وارداتیں سب سے زیادہ ہوتی ہیں۔ جبری زنا کرنے والے تمام مرد لڑکیوں کے جگری دوست‘ عشاق‘ ہم مشرب و ہم مسلک‘ قریبی رشتہ دار‘ اعتماد کے لوگ اور خونی رشتوں والے ہوتے ہیں۔ ان اداروں میں صرف عورت ہی نہیں مرد بھی محفوظ نہیں ہے‘ ان کی عزتیں بھی لوٹی جاتی ہیں۔ امریکی فوج میں عورتیں اور مرد بھی بڑے پیمانے پر جنسی درندگی کا شکار ہیں۔ رپورٹ میں سرحدوں کے ان محافظوں کی عزت کی حفاظت کے لیے تجاویز دی گئی ہیں۔ جو ملک اپنی فوج کی عورتوں کی عزت کی حفاظت نہیں کر سکتا وہ دنیا بھر کو آزادی کا سبق سنانے کے لیے نکلا ہوا ہے۔

Nearly 22 Million have been raped in their life time, 1.6 million men have been raped during their lives. [p.1]

رپورٹ بتاتی ہے کہ اسکول‘ کالج‘ یونیورسٹی میں نشانہ بننے والے صرف ۱۲ فی صد مظلوم جنسی دہشت گردی کی رپورٹ درج کراتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

On average only 12% of students victims report the assault to law enforcement. [p.14]

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ہر دوسری لڑکی جنسی درندگی کا شکار ہے۔ ترقی اور تعلیم کے لیے مغرب کی عورت کو یہ ظلم گوارا ہے۔ یہ اعتراف بھی کیا گیا ہے کہ امریکی ثقافت جبری زنا کاری کی اجازت دیتی ہے۔ رپورٹ کے مطابق امریکی ثقافت میں ابھی تک مرد یہ سمجھتے ہیں کہ عورت خود مرد سے جنسی تعلق قائم کرنا چاہتی ہے' یعنی عورت کو اسی مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

Sexual assault is perrasive because our culture still allows it to persist.[p.33] .... women want to be raped and ask for it. [p.27]

گویا تعلیم کے ذریعے ترقی کرنا ہے تو یہ تکالیف برداشت کرنا ہوں گی۔ آزادی کا حصول ان آلام' آزمائشوں' تکالیف کے بغیر ممکن نہیں۔ یوروپی یونین کا حال اس سے زیادہ بدتر ہے۔ FRA کی ویب سائٹ پر یوروپی یونین میں عورتوں کے ساتھ جنسی دہشت گردی کے ہولناک اعداد و شمار دیے گئے ہیں۔ 53% عورتوں کو شکایت ہے کہ مرد انھیں گھر سے باہر' بازار میں' اسکول' کالج' یونیورسٹی' دفاتر میں غلیظ نگاہوں سے گھورتے رہتے ہیں' 38% عورتوں کے ساتھ کئی مرتبہ جبری زنا کاری کی گئی ہے' ۱۳ سال کی لڑکی سے لے کر ۷۳ سال تک کی عورت کو ای میل کے ذریعے فحش اور گندے پیغامات موصول ہوتے ہیں۔

یوروپین ایجنسی فار فنڈا مینٹل رائٹس (FRA) نے یوروپی یونین کے ۲۸ ممالک میں عورتوں کی بے حرمتی' عزت' عصمت' عفت اور حرمت کی پامالی کی حیرت ناک' شرم ناک اور افسوس ناک کہانی تحقیق کی روشنی میں بیان کی ہے (Violence against women: an Eu -wide survey. Main results) رپورٹ کے مطابق ایک سال میں ایک کروڑ بیس لاکھ عورتوں کو جسمانی تشدد کا سامنا کرنا پڑا۔ تشدد صرف جوان لڑکیوں پر نہیں' پچھتر سال کی بوڑھی عورتوں پر بھی ہوا۔ یہ کیسی انسانیت ہے کہ بوڑھے لوگ بھی اس ظلم سے محفوظ نہیں۔

یوروپی یونین کے ۲۸ ممالک کی چار کروڑ عورتوں یعنی اٹھارہ فی صد عورتوں نے شکایت کی ہے کہ مرد انھیں گھورتے' تاکتے اور جھانکتے ہیں' ان کے گھر' دفتر اور تعلیم گاہوں کے باہر راستے میں یہ مرد ان کو حریصانہ اور مریضانہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔

An estimated 13 million women in the EU have experienced physical violence in the course of the 12 months before the survey interviews. This corresponds to 7% of women aged 18-74 years in the EU.

An estimated 3.7 million women in the EU have experienced sexual violence in the course of the 12 months. This corresponds to 2% of women aged 18-74 years in he EU.

One in 20 women (5%) has been raped since the age of 15. This figure is based on responses to the survey question Since you

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

were 15 years old until now how often has someone force you into sexual intercourse by holding you down or hurting you in some way?

In the EU-28 , 18% of women have experienced stalking since the age of 15 and 5% of women have experienced stalking. This corresponds to about 9 million women in the EU 28 experiencing stalking. To obtain this finding, women were asked in the survey interview whether they had been in a situation where the same person had been repeatedly offensive of threatening towards them with respect to a list of different actions, for example whether the same person has repeatedly Loitered or waited for you outside your home,workplace or school without a legitimate reason? or Made offensive threatening or silent phone calls to you?

Forms of sexual cyberharassment since the age of 15 and in the 12 months before the survey, including unwanted sexually explicit emails or sms messgaes that were offensiv.

Some 12% of women indicate that they have experienced some form of sexual abuse or incident by an adult before the age of 15 which corresponds to about 21 million women in the EU. The results show that 30% of women who have experienced sexual victimisation by a former or current partner also experienced sexual violence in childhood. Of those women who have not experienced sexual victimisation in their current or former relationship 10 % indicate experiences of sexual violence in their childhood.

Half of all women in the EU (53%) avoid certain situations or places at least sometimes for fear of being physically or sexually assaulted in comparison existing surveys on crime victimisation and fear of crime show that far fewer men restrict their movement.

امریکہ اور یورپ میں سب سے زیادہ جبری زنا تعلیمی اداروں میں ہوتا ہے۔ رضا مندی سے ہونے والا زنا جرم نہیں' لہٰذا اس کے اعداد و شمار جمع نہیں کیے جاتے۔ تعلیم کا مقصد آزادی اور سرمایہ ہے جس کے ذریعے ترقی کا حصول ممکن ہے' لہٰذا ہر کوئی ترقی کے لیے یہ مظالم برداشت کرتا ہے۔ واضح رہے کہ امریکہ اور یورپ میں پولیس صرف تین منٹ میں موقع واردات پر پہنچتی ہے' تب زنا کاری کا یہ حال ہے۔ ان ملکوں میں جنسی درندگی کا یہ حال سو فی صد تعلیم عام ہونے کے بعد ہوا ہے۔ تعلیم سے تہذیب' اخلاق' ادب' شرافت پھیلتی ہے' یہی عام خیال ہے' لیکن عملاً کیا ہو رہا ہے؟ لامحدود ترقی ایک خواب ہے مگر ہر ایک یہ خواب دیکھ رہا ہے' اس خواب کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عورت مرد اپنی عزت تعلیم گاہوں میں قربان کرنے پر آمادہ ہیں۔ لیکن بنیادی سوال یہ ہے کہ اس محدود (finite) دنیا میں کیا لامحدود (infinite) ترقی ممکن بھی ہے؟ ایک محدود انسان جو کل مر جائے گا اتنی لامحدود ترقی کیوں چاہتا ہے؟ اور ترقی بھی اپنی عصمت' عزت اور حرمت کی قیمت پر!

Kenneth Bouding کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس محدود دنیا میں لامحدود ترقی حاصل کرنا چاہتا ہے تو یا تو وہ پاگل ہے یا ماہر معاشیات۔

Any one who believes growth can be infinite in a finite world is either a mad man or an economist.

لیکن دنیا میں ایسے پاگلوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور تعلیمی نظام ہی ان کی پیداوار کا اصل مرکز ہے۔

جدید صنعتی غذائیں جو کیمیائی مادوں سے تیار کی جاتی ہیں اس کے استعمال کا نتیجہ مغرب میں یہ نکلا ہے کہ لڑکیوں اور لڑکوں کی بلوغت کی عمر سات سال کم ہوگئی ہے۔ پہلے جو لڑکی سترہ سال میں بالغ ہوتی تھی اب دس سال میں بالغ ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے اس سے مارکیٹ کو فائدہ ہے' صارفین یعنی خریداروں (consumers) کی تعداد بڑھ رہی ہے جس سے پیداوار (production) بڑھ رہی ہے اور کارپوریشن کا منافع (profit) بھی اندھا دھند بڑھ رہا ہے۔ بلوغت کی عمر اسی رفتار سے کم ہوتی رہی تو ہر پیدا ہونے والا بچہ بالغ پیدا ہوگا۔ یہ کیسا خطرناک جنسی بحران ہوگا؟ یہ بحران ترقی کی قیمت ہے؟ مغرب میں بلوغت کی عمر کم ہونے پر کسی کو تشویش نہیں۔

Today most doctors accept that the age of onset of puberty is dropping steadily.

Consider the statistics provided by German researchers. They found that in 1860, the average age of the onset of puberty in girls was 16.6 years. In 1920, it was 14.6; in1950, 13.1; 1980, 12.5; and in 2010, it had dropped to 10.5. Similar sets of figures have been reported for boys, albeit with a delay of around a year.[The Observer, Sunday 21 October 2012]

آزادی' اعلیٰ تعلیم' زبردست سائنسی معاشی ترقی کرنے والے امریکہ میں روزانہ ۸۵ لوگ خودکشی کرتے ہیں' یعنی ہر سترہ منٹ کے بعد ایک امریکی خودکشی کرتا ہے۔ یہ اعداد و شمار نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف مینٹل ہیلتھ (NIMH) امریکہ کے ہیں اور نصابی کتاب Abnormal Psychology میں شامل ہیں۔

About 31000 people kill themselves each year in USA which averages to nearly 85 poeple per day or one person every 17 minutes. [Susan Nolen Hoeksema , Abnormal Psychology, McG Raw - Hill USA 2004, p.332]

امریکہ میں پچاس فی صد نوجوان اپنے اردگرد خودکشی کی کوشش کے کسی نہ کسی واقعے سے واقف ہوتے ہیں۔ یعنی خودکشی امریکہ میں زندگی کے معمولات کا حصہ ہے۔ امریکہ میں ہر چار میں سے ایک نوجوان خودکشی کی کوشش کرتا ہے۔ پندرہ سال سے ۲۴ سال کے امریکیوں میں موت کا تیسرا بڑا سبب خودکشی ہے۔ امریکہ کے تین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فی صد لوگ زندگی میں کبھی نہ کبھی خودکشی کی کوشش کرتے ہیں' اور امریکہ کی پانچ سے لے کر سولہ فی صد آبادی زندگی میں کبھی نہ کبھی خودکشی کے بارے میں سوچتی ہے۔ مسئلہ صرف امریکہ کا نہیں' جدیدیت' مغربیت' سیکولر تعلیم' آزادی' مساوات' ترقی کا عقیدہ جن ملکوں میں جڑ پکڑ چکا ہے وہاں خودکشی کی رفتار یہی ہے۔ اس ترقی یافتہ' جدید' حسین' آرام دہ دنیا میں سالانہ دس لاکھ لوگ خودکشی کے ذریعے مرجاتے ہیں' بیس لاکھ لوگ خودکشی کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ تاریخ انسانی کی تیئیس تہذیبوں میں کبھی ایسی صورت حال پیدا نہ ہوئی۔ ایسی ترقی' ایسی سائنس' ایسی ٹیکنالوجی' ایسی آزادی' مساوات اور جمہوریت کو لے کر کیا کریں جو لوگوں سے زندگی کی امنگ' لگن اور ترنگ تک چھین رہی ہے! امریکہ سمیت تمام ترقی یافتہ ملکوں میں آزادی' مساوات' ترقی حاصل کرنے والی جدید عورت' جو خود کو تاریخ انسانی کی سب سے زیادہ آزاد اور خوش نصیب عورت سمجھتی ہے' سب سے زیادہ خودکشی کرتی ہے۔ مذہبی' تنگ نظر' اندھے' بہرے' گونگے' الہامی' دینی' روایتی' اَن پڑھ' جاہل معاشروں میں کبھی عورت نے خودکشی نہیں کی تو کیوں؟ آزاد' تعلیم یافتہ' خوش حال عورت خودکشی کیوں کر رہی ہے؟ گزشتہ ساٹھ سال میں خودکشی میں اضافے کی شرح عام لوگوں میں بہت کم رفتار سے بڑھی ہے' لیکن بچوں اور نابالغوں میں خودکشی کی شرح میں تین سو فیصد اضافہ ہوا ہے۔ نو بالغوں میں بچوں اور بالغوں سے زیادہ خودکشی کا رجحان ہے۔ کالج میں پڑھنے والے طلبہ میں خودکشی کی شرح سب سے زیادہ ہے' وہ داخلہ لیتے ہی خودکشی کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں۔ تعلیم ترقی کا زینہ ہے مگر موت کا کنواں بھی ہے' اسی لیے امریکہ میں کالجوں میں داخلہ لینے والے نو فی صد طلبہ خودکشی کو ترقی اور تعلیم پر ترجیح دیتے ہیں۔ سنہرے مستقبل کی امید مگر امتحان میں ناکامی ان کے خواب بکھیر دیتی ہے۔ زندگی کا مقصد ترقی ہے' ناکامی کے بعد ترقی کیسے حاصل ہوگی؟ کالجوں کے ایک فی صد طلبہ خودکشی کی کوشش کرتے ہیں۔ ۴۴ فی صد بوڑھے لوگوں کی خودکشی کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان سے دور اولڈ ہوم میں تنہا زندگی پسند نہیں کرتے' وہ تنہائی کی زندگی پر موت کو ترجیح دیتے ہیں۔

Nearly half of all teenagers in the USA say that they know someone who has tried to commit sucide. [p.330, ibid] One in four teenagers admits to attempting or seriously contemplating suicide. [p.330, ibid] Suicide the third leading cause among people 15 to 24 years of Age. [p.330, ibid]3 Percent of the population contemplate sucide at sometime in their lives, & between 5 & 16 percentreport having had suicidal thoughts at sometime. [p.332, ibid] 1 million people die by suicide and 2 million other people make suicide attempts each years [p.332, ibid] Rates of suicide in women would be much higher than in man. Indeed three times more women than men attempt to suicide. [p. 333, ibid] The over all rate of suicide in the general population has slightly increased over the past 60 years but the rate among children & adolescents has sky rocketed by nearly

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

300 percent. [p. 334, ibid] Young adults are more likely than adults of any other age to think about commiting suicide. [p. 334, ibid] Students in colleges 9 percent said thay had thought about committing suicide since entering college and 1 percent said they had attempted suicide while at college. [p. 336, ibid] 44 percent older people who committed suicide had said they could not bear being placed in a nursing home and would rather be dead. [p. 336,ibid]

مغرب میں جنسی دہشت گردی اور خودکشی کی بدترین صورت حال جدید تعلیم اور ترقی کے ایجنڈے کا لازمی نتیجہ ہے۔ پاکستان کے شہروں میں بھی اسی صورت حال کا سامنا ہے۔ جدید اسکولوں اور معاشرے میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے مگر ہم نے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ مغرب کی پیروی کا یہی انجام ہے۔ ایدھی ٹرسٹ کے جھولوں میں حرامی بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کس خطرے کی علامت ہے؟ ایک جانب بچے پھینکے جا رہے ہیں‘ دوسری جانب اخبارات میں بچہ پیدا کرنے والے ہسپتالوں کے اشتہار چھپ رہے ہیں‘ ٹی وی کے پروگراموں میں بے اولاد امیر جوڑوں کو بچے بانٹے جا رہے ہیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں ہے کہ یہ سب کیا تماشہ ہے؟ ایک جانب شادی والوں کے بچے پیدا نہیں ہو رہے‘ دوسری جانب شادی کے بغیر بچے پیدا ہو رہے ہیں۔ یہ سب ماس میڈیا اور ماس ایجوکیشن (Mass Education) کا نتیجہ ہے۔

دنیا بھر میں ابلاغِ عامہ (Mass Media) سے پروپیگنڈے کے ذریعے دیہی زندگی حقیر بنا دی گئی ہے۔ اس حقیر‘ ذلیل زندگی سے چھٹکارے کا راستہ تعلیم ہے۔ تعلیم عام ہونے کے نتیجے میں دیہات سے شہروں تک بڑے پیمانے پر نقل مکانی (Mass Migration) ہو رہی ہے۔ ۲۰۱۵ء تک دنیا کی ساٹھ فیصد آبادی شہروں میں ہوگی‘ دیہاتوں کی زمینوں اور کاروبار پر ملٹی نیشنل کارپوریشنز کا قبضہ ہوگا۔ تعلیم عام (Mass education) ہونے کے بعد چھوٹے کاروبار‘ ذاتی تجارت‘ خاندانی ہنر‘ نسل در نسل چلے آنے والے آبائی فنون‘ دستکاری‘ گھریلو صنعتیں‘ خاندانی زراعت وغیرہ سب ختم ہو جائیں گے‘ کیونکہ لوگ ان پیشوں‘ صنعتوں‘ کاموں کو حقیر و ذلیل سمجھنے لگتے ہیں۔ آج کل دیہاتوں میں ریوڑ چرانے والے دستیاب نہیں ہیں۔ یہ کام بچے کرتے تھے‘ ان کو چائلڈ لیبر کہا گیا اور ترقی کے لیے تعلیم کے سپرد کر دیا گیا۔ کھیتوں میں کام کرنے والے کم ہو گئے ہیں‘ سب شہر جا کر ترقی کرنا چاہتے ہیں‘ انہیں میڈیا اور تعلیم کے ذریعے یقین دلا دیا گیا ہے کہ وہ غیر ترقی یافتہ ہیں۔ ترقی کی اصطلاح دنیا کی کسی تہذیب میں موجود نہ تھی۔ مغربی استعمار کی اس اصطلاح کا اصل مطلب کیا ہے‘ اس کے لیے Development Dictionary کا مطالعہ کیجیے۔ ترقی کے نتیجے میں لوگ اپنے آبائی علاقوں‘ تاریخ‘ تہذیب‘ آبائی پیشوں‘ خاندان سے کٹ کر اداروں کے غلام بن رہے ہیں‘ سرمایہ دارانہ نظام کو سستے مزدور مل رہے ہیں۔ جب عورتیں بھی تعلیم پا کر مردوں کے شانہ بشانہ ہوں گی تو کارپوریشن کو مزید سستے مزدور ملیں گے۔ شہروں کے اندر روایتی اجتماعیتیں بڑے پیمانے پر منتقلی (Mass Mobilization) کے باعث تتر بتر ہو رہی ہیں‘ اجتماعیت (collectivity) کی جگہ ہجوم (mass) نے لے لی ہے۔ انسان شہروں کی بھیڑ میں تنہا رہ گیا ہے‘ اپنی جڑ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کٹنے کے بعد وہ دیہاتوں کی طرف واپس جانے کے قابل نہیں رہا۔ اپنے ہی وطن میں اجنبی اس مسافر کا ماضی‘ حال اور مستقبل اس مریض ہجر کی طرح ہے جو امیدِ سحر سے محروم ہے۔ شہروں میں غیر فطری بے پناہ آبادی نے افقی عمارتوں کا ایک بے ہنگم جنگل کھڑا کر دیا ہے۔ معاشرتی‘ ثقافتی‘ روایتی تعلیمات ختم ہوگئی ہیں۔ کوئی کسی کو نہیں جانتا‘ لہٰذا تمام جدید بڑے بڑے شہر جرائم کے سب سے بڑے مراکز ہیں۔ جرائم اور مجرموں کے انسائیکلو پیڈیا چھپ رہے ہیں۔ بلاشبہ دنیا میں سب سے زیادہ بہترین تعلیم ترقی یافتہ مغربی ملکوں میں ہے‘ سو فی صد لوگ تعلیم یافتہ بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں‘ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ نفسیاتی مریض‘ سب سے زیادہ پاگل‘ سب سے زیادہ جنونی‘ وحشی‘ سب سے زیادہ بیمار‘ سب سے زیادہ طلاقیں‘ ٹوٹے ہوئے گھر‘ آوارہ نسلیں‘ سب سے زیادہ جنسی درندے‘ سب سے زیادہ مجرم‘ سب سے کم بچے‘ سب سے کم شادیاں‘ سب سے زیادہ ناکاری‘ سب سے زیادہ حرام رشتوں سے جنسی تعلقات (incest relation)‘ سب سے زیادہ تنہائی‘ بے سکونی اور خودکشیاں‘ گھروں سے محروم سب سے زیادہ بوڑھے‘ بچے‘ عورتیں‘ انہی ترقی یافتہ ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔

یورپ‘ امریکہ‘ روس‘ چین‘ لاطینی امریکہ‘ اسکینڈے نیوین ممالک یعنی دنیا کی تیس فی صد آبادی میں دنیا کے اسی (۸۰) فی صد جرائم ہوتے ہیں۔ ستر (۷۰) فی صد غیر ترقی یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ ممالک بہت کم مجرم پیدا کرتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر برطانیہ کے ہوم ڈپارٹمنٹ اور CIA کی ویب سائٹ پر اعداد و شمار دیکھے جاسکتے ہیں۔

بیسویں صدی کے اختتام پر امریکا میں نوے فیصد لوگ کسی نہ کسی ادارے میں نوکری کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ پہلے آزاد تھے یا اب آزاد ہیں؟

> *Under capitalism it is the unintended but non the eless unavoidable outcomes, witness the fact that in that home of 'free enterprise' the USA, ninety percent of the employed now work in organization of one kind or another, whereas at the beginning of the century ninety percent were self employed [GAI EATON; King of The Castle: Choice & Responsibility In Modern World, Suhail Academy, Lahore1981, P-24]*

پاکستان میں ابھی تک (۲۰۱۴ء میں) چھیاسی فیصد لوگ اپنا کاروبار کرتے ہیں‘ وہ اداروں میں ملازمت نہیں کرتے۔ صرف بارہ فی صد لوگ بینکوں میں کھاتے رکھتے ہیں‘ اٹھاسی فی صد لوگوں کا جدید معاشی بینکاری نظام سے کوئی تعلق نہیں۔ پاکستان کی معیشت دنیا کی مضبوط ترین معیشت ہے‘ آزاد معیشت ہے‘ نہ برآمدات کی محتاج ہے نہ درآمدات کی‘ مگر اس کو تباہ کر کے امریکہ اور مغرب کی طرح تمام لوگوں کو عالمی سرمایہ دارانہ اداروں کا غلام بنانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ پاکستان میں Macro اور Metro اس کا ثبوت ہیں۔ پھل والے‘ مچھلی‘ مرغی‘ سبزی والے اپنے کاروبار چھوڑ کر ان اداروں میں وہی کام کر رہے ہیں اور نوکری کا تحفظ نہیں ہے۔ امریکا میں ایسا ہی ہوا اور جدید مغربی دنیا میں یہ سب ہو چکا ہے۔ گائی ایٹن لکھتا ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں امریکا میں نوے فیصد لوگ اپنا کام اور کاروبار کرتے تھے‘ وہ کسی کے محتاج نہ تھے۔ جدید تعلیمی نظام اس تبدیلی میں مرکزی کردار ادا کر رہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

Gilbert Rist بتاتا ہے کہ اٹھارہویں صدی کے فرانسیسی شہروں میں سال بھر میں ۱۵۰ دن کام نہیں ہوتا تھا‘ یعنی لوگ شہروں میں سال میں زیادہ سے زیادہ ۲۱۵ دن کام کرتے تھے۔ کام کے اوقات بھی مقرر نہیں ہوتے تھے‘ کام کے لیے میلوں دور بھی جانا نہیں پڑتا تھا۔ اب تو اوقات کا جبر بھی موجود ہے اور طویل مسافت بھی‘ مگر اسے آزادی سمجھا جاتا ہے۔ ۲۰۱۰ء میں فرانس میں سرکوزی کی جانب سے ریٹائرمنٹ کی عمر دو سال بڑھانے پر بوڑھوں کی جانب سے زبردست احتجاج کا سبب اب واضح ہو گیا ہے۔ ماضی کے اچھے دنوں کی یاد ہی اس غصے کا اصل سبب ہے جب لوگ کم کام کرتے تھے۔ اب مسلسل کام کرتے ہیں‘ ایک لمحہ آرام نہیں کر سکتے‘ اس لیے مغربی دنیا میں لوگوں کے لیے سب سے بہترین اور خوشی کا دن جمعہ کا ہوتا ہے جب وہ دو دن کی چھٹی پر جاتے ہیں اور سب سے خراب دن پیر ہوتا ہے جب انھیں مجبوراً کام پر واپس آنا پڑتا ہے‘ لہٰذا کوئی مغربی ساٹھ سال کے بعد کام کرنے پر تیار نہیں۔ اس کے برعکس اگر پاکستان میں سرکاری ملازمین کی عمر دو سال نہیں دس سال بڑھا دی جائے تو وہ خوشی سے پاگل ہو جائیں گے۔ مگر مغرب ماضی کو قرون مظلمہ (Dark Ages) کہتا ہے۔ پاکستان ابھی تک انیسویں صدی کے امریکہ اور اٹھارہویں صدی کے فرانس کی طرح مضبوط معیشت کا ملک ہے۔ لوگ آزادانہ کاروبار کر رہے ہیں۔ آبادی کی اکثریت ملازمت یا روزگار کے لیے کمپنیوں‘ کارپوریشن‘ حکومت کی محتاج نہیں‘ سب اپنا کام کرتے ہیں۔ مگر پاکستانی خود کو کیا سمجھتے ہیں اور کیا بننا چاہتے ہیں‘ یہ سب کو معلوم ہے۔

اسکولوں کے بہت سے منتظمین‘ مالکان اور سرپرست یہ سوال کر سکتے ہیں کہ نصابِ تعلیم‘ نظامِ تعلیم‘ طریقہ تدریس و تربیت پر لکھے گئے مضمون میں سرمایہ داری‘ جمہوریت‘ لذت پرستی کا نظام‘ مذہب دشمنی‘ عقیدوں کی بحث‘ سیاست وغیرہ کہاں سے آ گئے؟ اس کا تعلیم و تربیت سے کیا تعلق؟ —— ظاہر ہے وہ افراد جنھوں نے معلّمی‘ تعلیم و تربیت کے پیشے‘ کاروبار اور شعبے کو نہایت نیک نیتی‘ اخلاص‘ اور قربانی کے جذبے کے تحت اختیار کیا ان کے لیے یہ سوالات اہم ہیں‘ مگر اس کے لیے ہمیں مغرب کے نظامِ تعلیم سے متعلق تین اہم تعلیمی فلسفوں کو دیکھنا ہوگا جو جدید تعلیم کی مابعد الطبیعیاتی اساسات فراہم کرتے ہیں:

- ☆ *The Platonic Philosophy of Education.*
- ☆ *The Individualism Philosophy of 18th Century Enlightenment.*
- ☆ *The Institutional Idealistic Philosophies of Nineteenth Century.*

جرمنی دنیا کا پہلا ملک تھا جس نے ابتدائی تعلیم سے لے کر یونیورسٹی کی اعلیٰ تعلیم تک قومی آفاقی لازمی تعلیمی نظام تشکیل دیا تھا۔ لہٰذا جرمنی کے نظامِ تعلیم کا مطالعہ بھی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ چند اہم مغربی مفکرین کا مطالعہ بھی ضروری ہے تاکہ ان مباحث کی بنیادوں سے ہم واقف ہو سکیں۔ Kant کے خطبات Treatise on Pedagogies‘ Rousseau کی کتاب Emile‘ Emile Durkheim کی کتاب Education & Sociology‘ Max Weber کا مضمون The Rationalization of Education & Training‘ John Dewey کا مقالہ The Democratic Conception in Education‘ فوکالٹ کی کتاب Dicipline & Punishment: The birth of the prison میں فوکالٹ کی تحریر جدید تعلیمی اداروں کی عمارتوں اور ان قید خانوں‘ عقوبت خانوں کے تربیتی نظام امتحانات پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور نہایت اہمیت کی حامل ہے۔

مزید برآں Basil B. Bernstein کا معرکہ آراء مقالہ Thoughts on the Trivium and Quadrivium: The Divorce of Knowledge from the Knower اس مقالے کا ایک اقتباس ہمارے موقف کی تائید کرتا ہے اور جدید تعلیمی نظام کی حقیقت بھی واضح کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جدید سیکولر تعلیمی نظام میں فرد کے باطن کی اصلاح، تزکیۂ نفس، تعمیرِ شخصیت کا کوئی نظام ہی نہیں ہے، مذہب کو بے دخل کر دیا گیا ہے اور سوشل سائنس کے ذریعے فرد کی اصلاح کی جا رہی ہے۔

> *I have tried to show that in the medieval period we had two differently specialised discourses, one for the construction of the inner, one for the construction of the outer_the material world. The construction of the inner was the guarantee for the construction of the outer. In this we can find the origin of the professions. Over the next five hundred yers there was a progressive replacement of the religious foundation of official knowledge by a humanising secular principle. I want to argue that we have, for the first time, a dehumanising principle, for the organisation and orientation of official knowledge. What we are seeing is the growing development of the specialised disciplines of the Quadrivium, and the diciplines of the Trivium have become the disciplines of symbolic control___the social sciences.*
>
> *We know, however, how this special status in turn limited and distorted the knowledge, but this is not the point here. Today the market principle creates a new dislocation. Now we have two independent markets, one of knowledge and one of potential creators and users of knowledge.*

❁❁❁

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولِ عام تالیف
مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق
اشاعت خاص: 45 روپے اشاعت عام: 25 روپے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com